[illegible] 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ

طلوعِ اسلام

لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلیفون	بدل اشتراک
-/15 روپے	5714546/6541521 idara@toluislam.com خط و کتابت ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) ۲۵بی گلبرگ ۲ لاہور	سالانہ پاکستان۔170 روپے غیر ممالک.800 روپے
جلد 52	مئی 1999ء	شمارہ نمبر 05

Bank Account No. 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore

ادارت

مدیر اعلیٰ :- محمد لطیف چوہدری
مدیر معاون :- سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

سرکولیشن مینیجر : مرزا محمد زمرد بیگ
کمپوزر : شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین :- ایاز حسین انصاری
ناظم :- محمد لطیف چوہدری
ناشر :- عطا الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

جناب عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
جناب ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
جناب محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز: نذیر شریف پرنٹرز 43ریٹی گن روڈ لاہور

فہرست

لمعات	(ادارہ)	3
طلوع اسلام اور علامہ غلام احمد پرویزؒ	(محمد لطیف چوہدری)	6
کتاب سے شکوہ	(پروفیسر محمد منور)	17
قرآنی انقلاب کیسے آئیگا؟	(رشید احمد۔ سوات)	22
جواب آں غزل	(ڈاکٹر سید عبدالودود)	28
فہرست موضوعات آڈیو درس قرآن۔۔۔۔	از علامہ غلام احمد پرویزؒ	34
روئیداد 23 مارچ 1999ء	(مرتبہ سلیم اختر گورمانی)	35
Why I am not a Christian?	(Dr. Shabbir Ahmad)	47
فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟	(علامہ غلام احمد پرویزؒ)	آخری صفحات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

1- فرقہ وارانہ ---- ہم آہنگی؟

مسلمانوں کے مختلف طبقوں اور مذہبی گروہوں میں اختلافات کوئی نئی بات نہیں لیکن مذہبی منافرت نے ان دنوں ایسی صورت اختیار کر لی ہے کہ عبادت گاہوں تک میں احساس تحفظ ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان حالات کے سدھار کی کوئی صورت ہے؟ کیا ان خرابیوں کا کوئی علاج ممکن ہے؟ کیا ہم اس عذاب سے نجات پا سکتے ہیں؟ کیا ہماری باز آفرینی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ اس کا سیدھا سا علاج تو یہ تھا کہ تفرقہ بازی کی آڑ میں کی جانے والی مذہبی دہشت گردی کے انسداد کے لئے ہم مذہبی فرقوں میں بٹی ہوئی اس قوم کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کی تدبیر کرتے لیکن حیرت ہے کہ فرقوں کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے تو ہم ہر وہ سہولت فراہم کر رہے ہیں جو ممکن ہو سکتی ہے اور توقع یہ کر رہے ہیں کہ ملک کو انتشار سے بچانے کے لئے فرقے اپنے اپنے وجود کو قائم رکھتے ہوئے فرقہ وارانہ ہم آہنگی اختیار کریں یعنی الگ الگ فرقے بھی قائم رہیں اور اپنے اپنے مسلک و مشرب کے ساتھ سب ایک بھی ہو جائیں۔ میر کیا سادہ ہیں---- گئے وقتوں کی بات ہیں۔ ابھی پچھلے ہی دنوں محترم وزیراعظم صاحب کو نہ جانے بیٹھے بیٹھے کیا سوجھی کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم کرنے کے لئے انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے ممتاز علماء کو ایک میز پر جمع کر کے معروف مذہبی سکالر جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دے ڈالی جسے وطن عزیز میں نیک شگون قرار دیا گیا مگر اگلے ہی روز "فرقہ وارانہ -- ہم آہنگی" کی ہنڈیا بیچ چوراہے میں پھوٹی تو رہبران قوم اور علمائے کرام کی وضع کردہ اس نئی اصطلاح کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی۔ کمیٹی نے اپنے دو روزہ اجلاس میں محسوس کیا کہ نفرت کی بڑی وجہ کافرگری کا وہ عمل ہے جو بے محابہ جاری و ساری ہے۔ اسے ختم ہونا چاہئے۔ اگر کسی کو دوسرے فرقے کے غیر مسلم ہونے پر شبہ ہے تو وہ مذکورہ فرقے کے خلاف وفاقی شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کر سکتا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت 9 اپریل 99ء)- کمیٹی کی ان سفارشات کی ابھی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ تحریک جعفریہ کی طرف سے نعرہ بلند ہوا۔ "ڈاکٹر اسرار کی قیادت قبول نہیں۔ کمیٹی توڑ دی جائے" (نوائے وقت اپریل 99ء)- لوگ سمجھے غنیمت ہے شیعہ نہ سہی سنی حضرات تو متحد ہیں لیکن وائے بدنصیبی کہ اگلے ہی روز جامعہ نعیمیہ میں جماعت اہلسنّت پاکستان کے زیراہتمام منعقدہ آل پارٹیز سنی لیڈرز کانفرنس نے بھی اعلان کر دیا کہ "ڈاکٹر اسرار کمیٹی مسترد، فرقہ پرست دہشت گرد جماعتوں پر پابندی لگائی جائے" (نوائے وقت 12 اپریل 99ء)- ڈاکٹر اسرار صاحب نے اس علماء کمیٹی کی سربراہی تو ایک طرف اس کی بنیادی رکنیت تک سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ (نوائے وقت 14 اپریل

99ء) نظر آتا ہے "فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی غیر فطری اصطلاح کا مطلب ان کی سمجھ میں بھی آگیا ہے' تاہم ایک ڈاکٹر ہونے کے ناطے وہ اس مرض کو لاعلاج بھی نہیں سمجھتے ہونگے۔ ہماری رائے میں انہیں چاہئے تھا کہ مفاہمت اور ہم آہنگی کا عمل شروع کرنے سے پہلے اس بنیاد کا تعین کر لیتے جو سب فرقوں کے لئے قابل قبول ہوتی۔ ہم شروع دن سے کہتے چلے آرہے ہیں کہ کسی متفق علیہ بنیاد کے بغیر ہم آہنگی کی عمارت نہ کبھی استوار ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ رہا یہ سوال کہ فرقے کیسے ختم ہو سکتے ہیں۔ اس کا حل بھی اللہ کی کتاب میں موجود ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ خالی الذہن ہو کر اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ نے آج سے بہت پہلے ایک واضح' مفصل اور مربوط مقالہ اس موضوع پر لکھا تھا جو اس سے پہلے بھی متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ اگرچہ اس کا پمفلٹ بھی موجود ہے جسے ادارہ ہذا سے بلا معاوضہ منگوایا جا سکتا ہے' تاہم قارئین کی تجدید یادداشت کے لئے طلوع اسلام کی اسی اشاعت میں ہم اس امید پر اسے پھر سے شامل کر رہے ہیں کہ ہو سکتا ہے اللہ کی کتاب پر مبنی علامہ مرحوم کا یہ پیغام ایوانہائے حکومت' مصلحین قوم اور ارباب فکر و نظر تک پہنچ جائے۔

2- شجرۃ الزقوم

فرمان خداوندی ہے کہ خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ قوم خود اپنی حالت نہ بدلے۔ (13:11)- اور یہ کہ انسان کو وہی نتائج مل سکیں گے جن کے لئے اس نے محنت اور کوشش کی ہو گی۔ (53:39)- گویا کسی قوم کی ترقی کا راز لگاتار محنت اور مسلسل آگے بڑھنے کی کوشش میں مضمر ہے۔ یہ اللہ کا اٹل قانون ہے جس میں کسی استثناء کی گنجائش نہیں۔ قرآن کریم نے ہر اس مال کو ناجائز قرار دیا ہے جسے بائیں ہاتھ کا کھیل کہا جاتا ہے۔ اس طرح مال حاصل کرنے میں کچھ نہ کچھ فائد ضرور ہو جاتا ہے لیکن اس سے انسانی ذات اور قوم کے اجتماعی مفاد کو جو نقصان پہنچتا ہے وہ اس فائدہ سے کہیں زیادہ ہو ہے۔ (2:219)- اس لئے اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے۔ (5:90-91)- علاوہ ازیں قرآن کریم انسانی فکر کو بڑی اہمیت د ہے' اور تاکید کرتا ہے کہ اپنے معاملات کے فیصلے عقل و فکر اور علم و بصیرت کی رو سے کیا کرو۔ ہر وہ روش جس میں عقل فکر کے چراغ گل کر کے ظن و تخمین اور قیاسات و توہمات سے فیصلے کئے جائیں اس کے نزدیک مذموم ہے۔ قرعہ اندازی لاٹری' فالیں نکالنا وغیرہ سب اسی ضمن میں آجاتے ہیں۔ قرعہ اندازی کے لئے عربوں کے ہاں ازلام کی اصطلاح استعمال ہو تھی' اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔ (90 اور 5:3)-

ہم صدر مملکت جناب محمد رفیق تارڑ صاحب سے جو اٹھتے بیٹھتے اسلامی تعلیمات کا درس دیتے سنائی دیتے ہیں صرف ا سی بات پوچھنے کی جسارت کرتے ہیں کہ یہ راتوں رات کروڑ پتی بنانے کے دعوے' قرعہ اندازی اور لاٹری کے ذریعے لاکھ کے انعامات۔ جوے کی کھلے عام چاند راتیں اور سٹے بازی کا اعلانیہ کاروبار کیا احکام خداوندی سے بغاوت نہیں اور اگر نہ پھر وہ کونسا اسلام ہے جس کا وہ بحیثیت صدر مملکت دفاع کر رہے ہیں۔ اللہ کرے یہ بات ہماری حکومت کی سمجھ میں آجائے جو پیش پا افتادہ مفادات کے لئے پوری قوم کو اس شجرۃ الزقوم کا عادی بنا رہی ہے جس کا لازمی نتیجہ تباہی اور بر ہے۔

تبلیغ دین میں آپ بھی حصہ لیجئے

زندگی کی روز افزوں مصروفیات کے باعث دینی کتب کا مطالعہ ہر کسی کے لئے ممکن نہیں رہا جس کے پیش نظر ادارہ نے پیش پا افتادہ اہم موضوعات پر چھوٹے چھوٹے پمفلٹس شائع کر کے متلاشیان حق تک پہنچانے کا ملک گیر پروگرام ترتیب دیا ہے۔ اس پروگرام پر سال 1999ء کے لئے اخراجات کا تخمینہ اڑھائی لاکھ روپے ہے' تبلیغ دین کا فریضہ چونکہ ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے اس لئے تمام مسلمانوں خاص طور پر فکر قرآنی میں دلچسپی رکھنے والے حضرات سے درخواست ہے کہ حسب استطاعت مالی معاونت فرما کر تبلیغ دین کے اس پروگرام کو کامیاب بنائیں۔ جن کرمفرماؤں نے عطیات ارسال فرمائے ہیں ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

1- مسز امیر ملک صاحبہ (میانوالی) 18,000 روپے

2- جناب قدیر احمد صاحب (ناروے) 30,000 روپے

عطیات ----- نیشنل بنک مین مارکیٹ برانچ گلبرگ' لاہور

اکاؤنٹ نمبر 7-3082 میں یا براہ راست ادارہ طلوع اسلام

25 بی گلبرگ II' لاہور کے نام ارسال فرمائیں۔

ایاز حسین انصاری

چیئرمین ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد لطیف چوہدری

طلوع اسلام اور علامہ غلام احمد پرویزؒ

"طلوع اسلام اور علامہ غلام احمد پرویزؒ" کے عنوان سے مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب کا ایک طویل مقالہ 24 اور 25 مارچ کو روزنامہ اوصاف (راولپنڈی' اسلام آباد) میں شائع ہوا ہے جس میں مولانا نے "طلوع اسلام" کو "ملا" کے مدمقابل لانے کی کوشش کی ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے۔ طلوع اسلام کے نزدیک حق و باطل کا معیار نہ کوئی فرد ہے نہ افراد کا کوئی گروہ۔ اس کے نزدیک حق و باطل کا معیار اللہ کی کتاب عظیم قرآن کریم ہے۔ طلوع اسلام اس حقیقت کو بار بار واضح کر چکا ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ اس کے نزدیک نبی اکرمؐ کی سیرت مقدسہ' شرف و عظمت انسانیت کی معراج کبریٰ ہے۔ یہی وہ پاکیزہ سیرت ہے جو تمام نوع انسانی کے لئے اسوہ حسنہ کا بہترین نمونہ ہے۔ حضورؐ کی سیرت طیبہ کا جو حصہ قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے اس کے قطعی اور یقینی ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ باقی وہ حصہ جو قرآن سے باہر ہے سو اس میں اگر کوئی بات ایسی ہے جو قرآن کے خلاف جاتی ہو یا جس سے حضورؐ پر (معاذ اللہ) کسی قسم کا طعن پایا جاتا ہو تو ہمارے نزدیک وہ بات غلط ہے اسے حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہئے۔ یہی اصول صحابہ کبارؓ کی سیرت مقدسہ کے سلسلہ میں بھی سامنے رکھا جانا چاہئے۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے ہم ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے ہیں جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرمؐ یا صحابہ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔

عبادات کے ضمن میں طلوع اسلام کی پالیسی بار بار واضح کی جا چکی ہے کہ طلوع اسلام کے نزدیک امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے اسلامی احکام پر عمل کر رہے ہیں' کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ ان میں رد و بدل کرے یا کوئی نیا طریقہ وضع کر کے اسے خدا اور رسولؐ کا طریقہ قرار دے۔ یہ حق قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج رسالت) کو پہنچتا ہے کہ وہ رفتہ رفتہ امت کے اختلافات کو مٹا کر اس میں وحدت پیدا کرے۔

طلوع اسلام کے نزدیک قرآن کا نظام اپنی نوعیت کا واحد اور منفرد نظام ہے اس لئے نہ وہ دنیا کے کسی اور نظام میں جذب ہو سکتا ہے نہ ان سے مفاہمت کر سکتا ہے خواہ وہ مغرب کا جمہوری سرمایہ دارانہ نظام ہو یا سوشلزم کا آمرانہ اشتراکی نظام۔ اس کے نزدیک یہ سب نظامہائے زندگی غیر خداوندی ہیں۔ ہمارا مقصد قرآن کریم کی تعلیم کو عام کرنا ہے تاکہ کسی طرح پھر سے قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج نبوت) کا قیام عمل میں آسکے۔ طلوع اسلام ان متفق الخیال احباب کی تنظیم ہے جو یک نگہی اور یک جہتی سے قرآنی فکر کی نشرواشاعت کی کوشش کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سمجھنا خواہ مخواہ الجھنے والی بات ہے کہ طلوع اسلام فلاں کا سجن ہے اور فلاں کا دشمن ہے۔

اپنی بات کو طول دینے کے لئے مولانا نے طلوع اسلام کے چالیس پچاس سال پرانے شماروں کے سربریدہ اقتباسات نقل کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ "ملا" کے اسلام اور طلوع اسلام کے اسلام میں تضاد ہے۔ چھ عدد تضادات جن کا ذکر مولانا نے فرمایا ہے یہ ہیں (1) "ملا" کی مخالفت (2) علم کے

ذرائع (3) قطع ید (4) قربانی (5) وحی (6) تقدیر۔

جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے "ملا" حضرات سے (ملا کا لفظ مولانا نے خود ہی استعمال فرمایا ہے) ہمیں اس لئے پرخاش نہیں ہو سکتی کہ دین میں حجت ہمارے نزدیک اللہ کی کتاب ہے اور اللہ کی کتاب پر ہم کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کرتے۔ یہ کتاب تمام نوع انسان میں سے ہر ایک کے لئے سرچشمہ ہدایت ہے۔ رسول کریمؐ کا اسوہ حسنہ ہر اس مسلمان کے لئے ماڈل ہے جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھتا ہے۔ بقیہ پانچ کے متعلق کسی کج بحثی میں الجھے بغیر ہم متلاشیان حق کے لئے اپنا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں۔ گر قبول افتد---

2: علم کے ذرائع :

مولانا صفدر صاحب کے مطابق طلوع اسلام علم کے دو ہی ذرائع کا قائل ہے۔ ایک قرآن اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت۔ حدیث' اجماع' قیاس اور اجتہاد سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ ماہنامہ طلوع اسلام اکتوبر 1955ء کا اقتباس جس سے موصوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

(1) اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسانی کی رہنمائی کے لئے اپنا آخری اور مکمل دین قرآن کے اندر محفوظ کر کے دیدیا۔ اس میں نہ کسی قسم کا رد و بدل ہو سکتا ہے اور نہ حک و اضافہ۔ قرآن خدا کی آخری کتاب ہے اور نبی اکرمؐ اس کے آخری نبی ہیں۔ حضورؐ کے بعد اب کوئی اور آنے والا نہیں' نہ ہی انسانیت کی فلاح اور سعادت اسلام کے علاوہ کسی اور نظام زندگی میں مل سکتی ہے۔

(2) ختم نبوت کے بعد ہمارے پاس علم کے صرف دو ذرائع رہ جاتے ہیں۔ ایک وحی جو قرآن کے اندر ہے اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت۔ رسول اللہؐ کے بعد اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم حاصل کرنے کا دروازہ بند ہو گیا۔ لہٰذا کشف و الہام یا اسی نوعیت کی کوئی اور چیز دین میں سند نہیں قرار پا سکتی۔ اس لئے کہ نبوت کے بعد کوئی شخص براہ راست خدا سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔

بات ہو رہی ہے اللہ کی طرف سے براہ راست ملنے والے علم کی لیکن مولانا موصوف نے اقتباس کی کانٹ چھانٹ سے کہاں کا ٹانکا کہاں جوڑ دیا۔

(3) قطع ید :

مولانا صفدر صاحب کے نزدیک قطع ید سے متعلق طلوع اسلام کی درج ذیل وضاحت میں خط کشید الفاظ ناقابل برداشت ہیں۔ فیصلہ قارئین خود فرمائیں۔

قرآن کریم کے معاشی نظام کے مطابق تمام افراد مملکت کی بنیادی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا' مملکت کا فریضہ ہوتا ہے۔ جب صورت یہ ہو کہ کوئی فرد اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے' تو اس کے بعد اگر کوئی شخص کسی دوسرے کی کوئی چیز چرائے تو اسے سنگین ترین سزا دینی چاہئے۔ اس کے لئے قرآن نے "قطع ید" کی سزا تجویز کی ہے۔

ید - ہاتھ کو بھی کہتے ہیں اور قوت۔ اختیار۔ اقتدار وغیرہ کو بھی۔

قطع - کے معنی کسی چیز کو کاٹ کر الگ کر دینے ہی کے نہیں۔ اس کے علاوہ' اس کے معنی کسی کو کسی کام سے روک دینے کے بھی ہیں۔ مثلاً **قطع الطریق**۔ رہزنی کو کہتے ہیں جس میں ڈاکو مسافروں کا راستہ روک دیتے ہیں۔ (29:29)-
قطع اللسان کے معنی کسی کی زبان بند کر دینے کے ہیں۔
قطع رحمی رشتہ داری کے تعلقات منقطع کر دینے کے لئے بولا جاتا ہے۔ سورہ یوسفؑ میں جہاں آیا ہے کہ ان عورتوں نے **قَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ** (12:31)- تو اس کے معنی یہ نہیں کہ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ کر بازو سے الگ کر دیئے۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ انہوں نے کھانے سے اپنے ہاتھ روک لئے اور یا (زیادہ سے زیادہ) یہ کہ انہوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لئے۔

ان تصریحات سے واضح ہے کہ سرقہ کی سزا میں "قطع ید" سے مراد ہاتھ کاٹ کر الگ کر دینا ہی نہیں۔ اس سے مراد کوئی ایسی سزا بھی ہو سکتی ہے جس سے مجرم آئندہ اس قسم کے جرم کے ارتکاب سے رک جائے"۔ سرقہ کس جرم کو کہا جائے گا

اور اس کی سزا کیا ہو گی' ان امور کا تعین اسلامی مملکت کرے گی۔ وہ اس کے لئے اس امر کو بھی پیش نظر رکھے گی جو قرآن نے کہا ہے کہ جو مجرم ارتکاب جرم کے بعد نادم ہو اور اپنی اصلاح کر لے تو اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ نیز اس ماحول کو بھی پیش نظر رکھے گی جس میں اس قسم کی سزائیں تجویز کی جائیں گی۔

(4) قربانی:

مولانا صفدر صاحب نے اپنے طویل تبصرے میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ طلوع اسلام قربانی کا منکر ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ جانور ذبح کرنے کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ ذکر **ھدی** کے سلسلہ میں سورہ حج میں آیا ہے اور اس قربانی سے متعلق ہے جو حاجی دوران حج مکہ مکرمہ میں کرتے ہیں۔ طلوع اسلام نے بقرعید کہ موقع پر گھروں میں کی جانے والی قربانی سے متعلق کچھ حقائق پیش کئے ہیں جن پر مولانا صفدر صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن کریم میں سورۃ الکوثر اور اجماع امت کی موجودگی میں طلوع اسلام کا نقطہ نظر غیر اسلامی ہے۔

طلوع اسلام کے خلاف اس الزام کو بھی چونکہ اسی شد و مد سے اچھالا جاتا ہے جس شدومد سے اسے منکر حدیث قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اس لئے ہم روزنامہ اوصاف سے تھوڑی سی تفصیل کی اجازت چاہیں گے۔ بات اگر "**فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ**" ہی سے شروع کی جائے تو اس کے معنے ہوئے اپنے رب کے واسطے **صلوٰۃ** ادا کر اور **نحر** کر۔ **وانحر** کے معنی کئے جاتے ہیں۔ "اور قربانی کر" حالانکہ **نحر** کئی معنوں میں آتا ہے۔

فراء نحوی کہتا ہے:

"**وانحر** کے معنی ہیں اپنا سینہ قبلہ رخ کیجئے"۔ (ابن ابی حاتم)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا۔

جب یہ سورت نازل ہوئی تو میں نے جبریلؑ سے پوچھا۔ یہ **نحر** کیا ہے۔ انہوں نے کہا یہ ذبح نہیں بلکہ نماز میں پہلی تکبیر' رکوع اور رکوع سے اٹھتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (ابن ابی حاتم۔ ابن مردویہ)

جعفر کا قول ہے کہ:

نحر کے معنی ہیں تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانا۔ (ابن جریر)

حضرت علیؓ کا ایک اور قول ہے کہ:

"**نحر** کے معنی ہیں بائیں کلائی پر دایاں ہاتھ رکھنا اور پھر انہیں سینے پر رکھ لینا"۔ (دار قطنی و تاریخ بخاری)

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ:

نحر کے معنی ہیں دو سجدوں کے درمیان اتنا بیٹھنا کہ چھاتی نظر آئے۔ (روح المعانی)

ضحاک کا قول ہے کہ:

نحر کے معنی ہیں نماز کے بعد دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ (ایضاً)

ان تمام اقوال کو دیکھئے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ **نحر** کے وہ معنی ہیں جنہیں بنیادی معنی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ سب اس وقت پیدا ہوئے جب نماز کا تصور پیدا ہوا۔ رہی وہ روایت جو حضرت علیؓ کے واسطہ سے نبی صلعم کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ سو اس کا ضعف ظاہر ہے۔ جبریل اس قوت عظیمہ کا نام ہے جو انبیاءؑ کے قلوب مقدس پر القائے وحی کرتی ہے۔ وہ وحی کے معانی بتانے نہیں آتی۔ اسناد کے لحاظ سے بھی محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ابن کثیر نے اسے منکر قرار دیا ہے اور ابن جوزی نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔ (روح المعانی۔ جزء 30)

اب لغت کی طرف آیئے۔ علامہ محب الدین محمد مرتضیٰ لکھتے ہیں:

"**نحر الصدر** سینے کے اوپر کا حصہ" جہاں ہار پہنایا جاتا ہے۔ **نحر البعیر نحیرہ نحرا**"۔ اس نے اونٹ کے سینے سے متصل اس جگہ پر نیزہ مارا جہاں سے حلق شروع ہوتا ہے۔ (تاج العروس ملخصاً")

اس کے بعد علامہ مذکور نے وہ تمام اقوال نقل کئے ہیں جو میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ ان میں دو باتوں کا اضافہ کیا ہے جو درج ذیل

یں۔
۔ ونٹوں کو ذبح کرنا' 2۔ خواہشات کا قلع قمع کرنا۔ (ایضاً")

علامہ زمخشری کہتے ہیں:

نحر کے معنی ہیں کامل دست گاہ حاصل کر لینا۔ حاوی ہو جانا۔ **نحرت ایشئی علما**"۔ میں علم کے ذریعہ اس پر حاوی ہو گیا۔ (اساس البلاغتہ)

علامہ بستانی لکھتے ہیں:

نحر کے معنی ہیں اچھی طرح علم حاصل کر لینا۔ **نحر الامور علما**"۔ اس نے معاملات کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ **النحر و النحریر** کے معنی ہیں۔ ماہر' تجربہ کار' کامل دست گاہ رکھنے والا۔ ہر چیز کو سوچ سمجھ کر اپنانے والا اور ڈٹ کر اس پر عمل پیرا ہونے والا۔" (محیط المحیط)

ہمارے زمانے کے مشہور ماہر لغت علامہ سعد الجیلانی لکھتے ہیں:

نحر بنیادی طور پر ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہ کسی نظریہ کو' کسی علم کو یا کسی عقیدہ کو غور و تدبر کے بعد قبول کرنا اور پھر اس پر مستحکم ہو جانا۔ یا کسی علم پر پوری بصیرت سے حاوی ہو جانا اور پھر مستقل مزاجی کے ساتھ عمل پیرا ہونا' تو قرآن حکیم میں **فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ**۔ کا مفہوم ہو گا۔ پس نظام خداوندی کے قیام کے لئے مستقل مزاجی سے کوشش کر۔

جب تیسری صدی ہجری میں قوی عمل مفلوج ہوئے اور **صلوٰۃ** کے مفہوم کو صرف ابتدائی ارکان پر منحصر سمجھا گیا تو **نحر** کے عجیب معانی بھی پیدا کئے گئے کہ اس کے معنی ہیں نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا وغیرہ۔ اس کے کچھ عرصہ بعد مجاہد اور اسماعیل بن ابی خالد وغیرہم نے یہ اپج نکالی کہ **نحر** کے معنی ہیں قربانی کرنا اور اس قربانی سے گائے' بیل' بھیڑ' بکری' وغیرہ ہر جانور کا ذبح کرنا مراد لے لیا گیا۔ حالانکہ پہلے مجازاً" یہ لفظ اونٹ کے ذبح کرنے پر بولا جاتا تھا۔ کیونکہ اس میں بھی **نحر** کا بنیادی مفہوم پیش نظر تھا۔ اونٹ کو کھڑا کر کے اچھی طرح سے اس کا نشانہ تاک کر نیزہ اس طرح سے مارنا کہ وہ گر جائے بالکل ان معانی کے مشابہ ہے کہ ایک نظریہ کو نصب العین بنایا جائے۔ پھر اس کے ساتھ شعوری لگن پیدا کی جائے اور پھر اس طرح عمل کیا جائے کہ نصب العین حاصل ہو جائے۔ (مقدمہ لسان القرآن ص 42)

ان تصریحات سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اول تو **نحر** سے ذبح کرنا مراد نہیں لیا جا سکتا' اور اگر یہ معانی لے بھی لئے جائیں تو پھر بھی صرف یہ ثابت ہو گا کہ "اونٹ ذبح کر" کیونکہ **نحر** کا لفظ اور کسی جانور کے لئے بولا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ علامہ رازی نے اس اعتراض کا جو جواب دیا ہے وہ بھی سن لیجئے۔

چونکہ نماز بدنی عبادات میں سب سے افضل ہے' اس کے ساتھ قربانی کی قسموں میں سب سے عظیم قربانی کا ذکر کیا گیا۔ (تفسیر کبیر ج 8)

یعنی امام رازیؒ صاحب فرماتے ہیں کہ قربانی تو تمام جانوروں کی ہو سکتی ہے۔ لیکن نماز کے ساتھ افضل قربانی کا ذکر کیا گیا۔ گویا اونٹ کی قربانی باقی جانوروں کی قربانی سے افضل ہے۔ اس لئے "**وانحر**" کا لفظ استعمال کیا گیا۔ تعجب ہے کہ یہ لوگ ایک طرف تو قربانی کو سنت ابراہیمیؑ کہتے ہیں' یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے مینڈھا ذبح کیا تھا' دوسری طرف یہ کہہ رہے ہیں کہ اونٹ کی قربانی مینڈھے کی قربانی سے افضل ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ علامہ رازی جیسے معقول انسان کو یہ غیر معقول دلیل اس لئے تراشنا پڑی کہ روایات ان کے ذہن میں گھر کر چکی تھیں اور وہ قرآن کے منہ میں روایات کی زبان رکھ کر باتیں کرانا چاہتے تھے۔ اسی چیز کو تفسیر بالرائے کہنا چاہئے۔

چلئے ہم نے ایک لمحہ کے لئے یہ بھی مان لیا کہ یہاں **وانحر** کے معنی ہیں "اونٹ' گائے' بکری' بھیڑ ذبح کر۔" لیکن پھر وہی اعتراض ہے کہ آپ یہ کہاں سے ثابت کریں گے کہ اس سے وہی معروف قربانی مراد ہے جو ہر سال حج کے ایام میں دنیا کے ہر گوشے میں ہر مسلمان کرتا ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور اعتراض بھی ہے کہ معروف قول کے مطابق یہ سورۃ مکی ہے تو کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں نبی صلعم نے قربانی کی تھی۔ اگر نہیں کی تو کیا آپ حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرتے رہے؟ (معاذ اللہ)

یہی ایک آیت ہے جن سے یہ لوگ قربانی کے حکم پر استدلال کرتے ہیں۔ مگر آپ دیکھ چکے کہ ان حضرات کا استدلال کتنا کمزور ہے؟

اب آیئے احادیث کی طرف۔ پورے ذخیرہ روایات میں دو احادیث ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے قربانی کا حکم دیا۔ ایک نظر ان کو ملاحظہ فرمالیجئے۔

نبی صلعم نے عرفات کے میدان میں فرمایا کہ لوگو! گھر والے پر سال میں ایک مرتبہ **قربانی** ہے اور ایک مرتبہ **عتیرہ**۔

(ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ' نسائی)

اس روایت میں **قربانی** اور **عتیرہ** دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ **عتیرہ** بالاتفاق منسوخ ہے۔ رہی **قربانی** تو علامہ ابن حزم کا ارشاد سن لیجئے۔

اس روایت کی اسناد میں' بورملہ کاہلی واقع ہوا ہے جو ماہرین فن کے نزدیک مجہول الحال اور گمنام قسم کا راوی ہے۔ (المحلی۔ ج 7)

دوسری روایت جو بڑے طمطراق سے پیش کی جاتی ہے' وہ یہ ہے۔

جناب ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جو صاحب حیثیت ہو اور قربانی نہ کرے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔ (مستدرک حاکم' بخاری۔ ج 2- ابن ماجہ)

اس روایت پر بھی علامہ ابن حزم نے قلم اٹھایا ہے۔ فرماتے ہیں:

"محدثین و محققین نے کہا ہے کہ اس روایت کی اسناد بالآخر عبداللہ بن عیاش بن عباس پر منتہی ہوتی ہیں جو نہایت مجروح اور حد درجہ ناقابل اعتبار تھا۔ (المحلی۔ ج 7)

قائلین قربانی کی طرف سے اس سلسلہ میں' دو اور روایات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ ہم انہیں بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلعم مدینہ میں دس سال تک رہے اور قربانی کرتے رہے۔

(مسند احمد۔ ج 7- ترمذی)

اس روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ قربانی کب واجب ہوئی تھی۔ اگر وہ حج کے ساتھ واجب ہوئی تو دس سال کا عرصہ کہاں ہوا کیونکہ بالاتفاق 6ھ کے بعد ہی حج فرض ہوا تھا۔ لیکن اس سلسلہ میں ہم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ انہی لوگوں کا ایک اصول بیان کر دیتے ہیں جو ان کے استدلال کی عنکبوتیت واضح کر رہا ہے۔ مشکوۃ کے مشہور شارح علامہ ابو الحسن عبیداللہ کہتے ہیں:

کسی عمل پر نبی صلعم کے دوام اور مواظبت سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عمل حقیقتاً بھی ضروری ہے۔

(شرح مشکوۃ ج 2)

اول تو یہ تسلیم کرنا کہ آپؐ نے دس سال تک قربانی کی' خلاف حقیقت ہے اور اگر اسے مان بھی لیں تو شارح مشکوۃ کے قول کے مطابق یہ کیسے لازم آیا کہ وہ عمل امت کے لئے شرعی طور پر واجب ہے۔

ایک اور روایت سے بھی استدلال کیا جاتا ہے۔ وہ بھی دیکھ لیجئے۔

جس نے ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر قربانی کا ارادہ کیا اسے چاہئے کہ ذبح کرنے سے پہلے نہ تو بال ترشوائے نہ ناخن کاٹے۔

(ابو داؤد۔ نسائی)

اس روایت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ قربانی کی شرائط بالوں کو نہ ترشوانا اور ناخن نہ کاٹنا بتا رہی ہیں کہ جس طرح ان کی پابندی ضروری ہے اسی طرح قربانی بھی ضروری ہے۔ حالانکہ یہ استدلال بڑا ہی خام ہے۔ کیونکہ یہاں قربانی کو ارادے پر موقوف ٹھہرایا گیا ہے۔ رہا اس کی شرائط کی پابندی کا سوال تو وہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص نفلی روزہ کا ارادہ کر کے روزہ رکھ

لے تو اب اس پر وہ تمام پابندیاں عائد ہو جائیں گی جو فرضی روزوں پر ہیں۔

غرض یہی کچھ ہیں وہ دلائل جن کی بنا پر قربانی کو ضروری ٹھہرایا جاتا ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ ائمہ نے قربانی کی کیا حیثیت سمجھی ہے۔

علامہ ابن ارشد لکھتے ہیں:

ہم ابو حنیفہؒ کے نزدیک خوشحال شہری جو حالت سفر میں نہ ہوں، ان پر قربانی واجب ہے، مسافروں پر نہیں۔ لیکن امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قربانی واجب نہیں۔ (بدایۃ المجتہد۔ ج 1)

فقہ حنفی امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال سے عبارت ہے۔ کہیں کہیں امام ابو حنیفہؒ کے اقوال پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔ لیکن زیادہ تر امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن نہ معلوم اس معاملہ میں کس دلیل کی بنا پر امام اعظمؒ صاحب کے قول کو ترجیح دی گئی ہے۔ ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اسے سنت مؤکدہ قرار دیتے ہیں مگر وہ بھی ایسی کہ کرنے والے کو ثواب ملے گا اور تارک پر کوئی گرفت نہیں ہو گی۔

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک قربانی سنت موکدہ ہے۔ کرنے والا ثواب کا مستحق ہے اور ترک کرنے والے پر کوئی گرفت نہیں۔

(الفقہ علیٰ المذاہب الاربعہ۔ ج 1)

اب ذرا اس امر پر غور کیجئے کہ کیا صحابہؓ بھی قربانی کو واجب سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا عمل ملاحظہ فرمایئے۔ امام شافعیؒ لکھتے ہیں کہ:

ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ قربانی نہیں کرتے تھے۔ اس اندیشے سے کہ کہیں انہیں دیکھ کر لوگ قربانی کو ضروری نہ سمجھیں۔ (کتاب الام۔ ج 2)

حضرت ابو مسعودؓ انصاری کے متعلق شمس الائمہ سرخسیؒ لکھتے ہیں کہ:

حضرت ابو مسعود انصاریؓ نے فرمایا۔ میرے پاس صبح شام ایک ہزار بکریاں آتی جاتی تھیں اور میں نے اس خوف سے قربانی نہ کی کہ کہیں لوگ اسے ضروری نہ سمجھ لیں۔

(المبسوط۔ ج 12)

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت بلالؓ کے متعلق علامہ ابن رشد نے لکھا ہے۔

ابن عباسؓ بھی اسے واجب خیال نہیں کرتے۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ابن عباسؓ نے دو درہم دے کر گوشت خریدنے کے لئے بھیجا اور کہا کہ جو ملے اسے کہہ دینا کہ یہی ابن عباسؓ کی قربانی ہے اور بلالؓ کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے مرغ ذبح کیا۔ (بدایۃ المجتہد۔ ج 1)

اس روایت سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ اس وقت قربانی کا رواج اس قدر کم تھا کہ قربانی کے روز گوشت فروخت ہو رہا تھا۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے تعامل کے متعلق امام ابن حزم نے اپنی سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ قربانی کو اس خیال سے مکروہ جانتے تھے کہ کہیں لوگ اس کی اقتدا ضروری نہ سمجھ لیں۔

(المحلی۔ ج 7)

امام مذکور نے حضرت ابو مسعودؓ کا قول ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

بلاشبہ مسلمانوں کی سہولت اور یسر کے خیال سے میں قربانی ترک کر دینے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ یہ لوگ اسے ضروری سمجھ لیں گے۔ (المحلی۔ ج 7)

شارح مشکوٰۃ علامہ ابو الحسن عبید اللہ نے امام بیہقی کی صحیح سند کے ساتھ لکھا ہے کہ:

حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، ابن عباسؓ، بلالؓ اور ابن عمر صرف اس اندیشہ سے قربانی کو مکروہ سمجھتے تھے کہ کہیں انہیں دیکھ کر لوگ اسے ضروری نہ سمجھ بیٹھیں۔ (شرح مشکوٰۃ ج 2)

انہی شواہد کی بنا پر امام ابن حزم لکھتے ہیں۔
کسی ایک صحابیؓ سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ قربانی واجب ہے۔ (المحلی۔ ج 7)

ابن حزن کی طرح ابن حجر اور شارح مشکوٰۃ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔
صحابہ کرامؓ میں سے کوئی بھی ذبیحہ عید قربان کے وجوب کا قائل نہیں تھا۔ (شرح مشکوٰۃ۔ ج 2)

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں:
جمہور کے نزدیک قربانی واجب نہیں۔ امام نووی نے کہا کہ ابوبکر صدیقؓ، عمرؓ، بلالؓ، ابو مسعود البدریؓ، سعید بن المسیب، علقمہ، اسود، عطاء، مالک، احمد، ابو یوسف، اسحٰق، ابو ثور، مزنی، ابن المنذر اور داؤد وغیرہم بھی اسے واجب نہیں سمجھتے۔ بحر میں ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ بھی اسے واجب نہیں سمجھتے تھے۔ (نیل الاوطار۔ ج 5)

علامہ ابو الحسن عبیداللہ نے اس فہرست میں مندرجہ ذیل ناموں کا اضافہ کیا ہے۔
سعید بن جبیر، حسن بصری، طاؤس، ابو الشعثاء، جابر بن زید، محمد بن علی بن الحسین، سفیان بن عیینہ، عبیداللہ بن الحسن اور ابو سلیمان وغیرہم نے بھی قربانی کو واجب نہیں سمجھا۔
(المحلی۔ ج 7)

اس کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہیں:
"قربانی کو واجب بتا کر حنفیہ نے جمہور علماء کی مخالفت کی ہے۔" (ایضاً)

انہی شواہد و نظائر کی بنا پر امام موصوف نے فیصلہ دیا ہے کہ:
"جو شخص نیک نیتی سے قربانی نہیں کرنا چاہتا اس پر نہ کوئی عتاب ہے نہ شرعی قباحت۔" (ایضاً)

اب قربانی کے متعلق اور روایات بھی سن لیجئے جو اس کے وجوب کو ختم کرتی ہیں۔
ابو رافع سے روایت ہے کہ رسول خدا صلعم نے عیدالاضحیٰ کے روز ایک مینڈھا ذبح کیا اور فرمایا۔ "میرے خدا یہ میری ساری امت کی طرف سے ہے۔ جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی۔ پھر دوسرے مینڈھے کو ذبح کیا اور فرمایا۔ "میرے اللہ یہ محمدؐ اور آل محمدؐ کی طرف سے ہے۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد بنو ہاشم میں سے کسی کو قربانی کرتے نہیں دیکھا"۔
(مسند احمد)

حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا۔
مجھے چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ مجھے قربانی کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ (مسند احمد)

یہی روایت ان الفاظ میں بھی بیان فرمائی۔
تین چیزیں میرے لئے فرائض کا درجہ رکھتی ہیں اور تمہارے لئے نوافل کا۔ قربانی، وتر اور چاشت کی نماز۔ (بزاز، ابن عدی، حاکم)

ایک اور جگہ ہے۔
مجھ پر قربانی فرض ہے اور تم پر نہیں۔ مجھے چاشت کی نماز کا حکم دیا گیا ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا۔ (مسند ابو یعلی)

اب ذرا قطع کردہ منازل پر ایک نظر ڈال لیجئے۔
1- قرآن حکیم میں کہیں بھی قربانی کا حکم نہیں دیا گیا۔
2- کوئی صحیح حدیث قربانی کے وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ ایسی روایات بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کو رسول اکرم صلعم نے اپنے لئے مختص کر لیا تھا۔
3- صحابہ کرامؓ اسے واجب نہیں سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ خصوصیت سے قربانی نہیں کرتے تھے۔ پس اگر وہ روایات صحیح ہوتیں۔ جن میں قربانی کو ضروری قرار دیا گیا ہے تو یہ حضرات کبھی ایسا نہ کرتے۔
4- جمہور ائمہ اسے ضروری خیال نہیں کرتے۔
5- صرف امام اعظمؒ ابو حنیفہ اسے واجب سمجھتے ہیں۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کیا قربانی (جس کا حکم کہیں صراحت سے نہیں) کا منکر کافر ہے یا مسلمان! اگر اس معاملہ

میں آپ امام اعظمؒ ہی کو برسر حق قرار دیں تب بھی آپ قربانی کے منکر کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک واجب کی تعریف یہ ہے۔

واجب وہ ہے جو دلیل ظنی سے ثابت ہو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ وہ عملاً لازم ہے اعتقاداً نہیں۔ چنانچہ اس کا منکر کافر نہیں کیونکہ ظنی دلیل سے ثابت شدہ حکم کی بنا پر کسی کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ ج 1)

(5) وحی:

طلوع اسلام نے لکھا کہ

قرآن نے بار بار اس کی تصریح کی ہے کہ رسولؐ اللہ پر جو وحی نازل ہوئی وہ سب قرآن میں ہے۔ قرآن کے باہر کہیں نہیں۔ مولانا صفدر صاحب ان دو باتوں کا ثبوت چاہتے ہیں۔ طلوع اسلام کے صفحات ان مباحث سے بھرے پڑے ہیں مگر کسی اخبار کا کالم ظاہر ہے طویل مباحث کا متحمل نہیں ہو سکتا اس لئے نمونہ مشتے از خروارے۔ چند ایک شہادتیں پیش خدمت ہیں۔

پہلی بات یہ کہ ایک کتاب قرآن مجید ہے جسے ساری دنیا الہامی کتاب تسلیم کرتی ہے اور دوسری بہت ساری کتابیں حدیث کی ہیں جنہیں مولانا صفدر اور ان کے ہم نوا منزل من اللہ قرار دیتے ہیں اگر یہ صحیح ہے تو منزل من اللہ کتابوں کی تعداد دو نہیں، دو سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے جس کتاب پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے اس کتاب کا ذکر اور اسکے لئے استعمال ہونے والے تمام ضمائر صیغہ واحد میں بیان ہوئے ہیں۔ پورے قرآن میں اس کے لئے کہیں بھی تثنیہ یا جمع کا صیغہ استعمال نہیں ہوا جس سے صاف ظاہر ہے کہ منزل من اللہ کتاب ایک ہی ہے اور وہ قرآن مجید ہے۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (36:69)۔ اور ہم نے اس پیغمبر کو نہ شعر کی تعلیم دی اور نہ شاعری اس کی شان کے لائق ہے۔ یہ تعلیم تو بس ذکر یعنی قرآن مبین ہے۔

اس آیت کریمہ میں ان ھوالا ذکر و قران مبین سے اظہر من الشمس ہے کہ من جانب اللہ حضورؐ کی طرف قرآن مبین ہی تعلیم دیا گیا ہے اور بس کیونکہ ان ہو ذکر و قرآن مبین میں الا کلمہ استثناء ہے اور مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ اہل علم پر یہ قاعدہ مخفی نہیں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ اس کا قائم مقام ہو جاتا ہے اور الا کلمہ استثناء وہاں فائدہ حصر کا دیتا ہے جس سے بین اور ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بجز قرآن مبین کے اور کوئی تعلیم ہرگز نہیں دی۔ پس جب کہ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اپنی تعلیم کا حصر فرما دیا ہے تو اب اس حصر کے ہوتے ہوئے کسی کی کیا جرات مجال ہے کہ ماسوائے قرآن مبین کے حضورؐ پر وحی غیر از قرآن کے نازل ہونے کا وہم و گمان بھی کر سکے۔ چونکہ تعلیم الٰہی صرف قرآن مجید ہی ہے۔

مزید غور و تفحص کی خاطر قرآن کریم کی وہ آیات پیش کی جاتی ہیں جن سے وحی صرف قرآن میں ہونے کی شہادت ملتی ہے۔ توجہ سے ملاحظہ فرمائیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ (2:285)۔

پیغمبر جو کچھ ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے اور سب مومنین بھی خدا، اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں۔

آیت بالا سے ظاہر ہے کہ انبیاء کرام پر کتاب کے علاوہ اور کوئی چیز نازل نہیں ہوئی تھی ورنہ ایمان صحابہؓ کی تعریف میں کتبہ کے ساتھ وہ بھی درج ہوتی۔ نیز یہ کہ کتب نے ماانزل اللہ کی خود وضاحت کر دی ماانزل اللہ صرف کتاب ہے اور ایمان صرف کتاب پر لانا ضروری ہے۔ مومن کا ایمان تو اسی صورت میں درست ہو گا جب کہ وہ انہی چیزوں پر ایمان لائے جن پر حضورؐ خود اور آپ کے صحابہ کرامؓ ایمان لائے تھے۔ اس

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (7:3)-

(لوگو) جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے سوا دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔

پہلی آیت میں کتاب کے اتباع کا حکم ہے اور دوسری آیت میں **ماانزل الیکم** کے اتباع کا حکم ہے صرف الفاظ کو ایک دوسرے کی جگہ رکھا گیا ہے جس سے ثابت ہے کہ **ماانزل** اور کتاب صرف ایک چیز ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ (47:2)-

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے اور جو کچھ کام کیے اور جو کچھ محمد پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا۔ اور وہ بحق ہے اس پر ایمان لائے۔ تو خدا نے ان کے گناہ ان سے دور کر دیئے اور ان کی حالت سنوار دی۔

یہاں **نزلا علی محمد** کا ذکر کیا گیا ہے۔ دوسری آیت میں قرآن کریم کو وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (26:192)- فرمایا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ **نزل علی محمد** تنزیل قرآن ہے اس مضمون میں اب تک یہی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے وحی صرف قرآن میں ہے لیکن کچھ علماء کرام کا عقیدہ ہے کہ احادیث و روایات بھی وحی ہیں۔

حدیث کا اپنا الگ مقام ہے۔ کوئی حدیث کتنی ہی صحیح کیوں نہ ہو' **منزل من اللّٰہ** کے مطابق تو ہو سکتی ہے' **منزل من اللہ** ہرگز نہیں۔ ہر حدیث "فلاں عن فلاں" کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ فلاں عن فلاں کی طرف سے آئی ہے نہ کہ اللہ کی طرف سے اور پھر قرآن مجید کا چھوٹے سے چھوٹا جملہ بھی آیت یا آیت کا حصہ کہلاتا ہے جب کہ احادیث کتنی بھی معتبر اور متفق علیہ کیوں نہ ہوں اپنی ساخت کے اعتبار سے روایات ہی کہلاتی ہیں۔

(6) تقدیر:

مولانا صفدر صاحب تقدیر کو اجزائے ایمان میں شامل کرنے پر مصر ہیں۔ طلوع اسلام کا نقطہ نظر درج ذیل ہے۔ فیصلہ قارئین کرام خود فرمائیں۔

(ق- د- ر)۔ اس مادہ کے بنیادی معنی اندازہ اور پیمانہ کے ہیں۔ **قدرت الشیئی** کے معنی ہیں میں نے اس چیز کو ماپا۔ اس کا اندازہ کیا۔ اس کی لمبائی چوڑائی اور جسامت وغیرہ کو متعین کیا۔ بتایا کہ وہ کیسی ہے' کتنی ہے۔ اس کا تناسب کیا ہے۔ **قدرت علیہ الثوب** کے معنی ہیں۔ میں نے اس شخص کے ماپ کے مطابق کپڑے بنائے۔ لہٰذا' قدر اور تقدیر کے معنی ہیں اندازہ اور پیمانہ۔ یا کسی چیز کو اندازے اور پیمانے کے مطابق بنا دینا۔ انہی پیمانوں کو قواعد و ضوابط یا قوانین کہا جاتا ہے۔ جب کہا جائے گا کہ خدا نے ہر شے کی تقدیر مقرر کر دی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ خدا نے قوانین و ضوابط متعین کر دیئے ہیں جن کے مطابق وہ چیز قائم رہتی اور کام کرتی ہے۔ مثلاً آگ کی تقدیر حرارت پہنچانا ہے۔ پانی کی تقدیر اس کا سیال ہونا ہے۔ چونکہ خدا کا قانون ہر شے پر حاوی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ **ان اللّٰہ علٰی کل شیئی قدیر**۔ خدا کی قدرت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا قانون ہر شے پر حاوی ہے اور کوئی شے متعلقہ قانون کے دائرے سے باہر نہیں جا سکتی انہی قوانین خداوندی کو خدا کی مشیت بھی کہا جاتا ہے۔

مشیت خداوندی کے تین گوشے ہیں۔ ایک گوشہ وہ ہے جہاں امر الٰہی کے مطابق ہر شے وجود میں آتی ہے۔ اور اس کے لئے قواعد و ضوابط اور قوانین و خواص متعین ہوتے ہیں۔ اس گوشے میں کہا جائے گا کہ خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ جس قسم کا قانون چاہتا ہے بناتا ہے۔

جب خدا نے یہ قوانین متعین کر دیئے تو ہر شے ان قوانین کے مطابق عمل کرتی رہتی ہے۔ ان قوانین میں خدا

آیت کریمہ سے تو یہی ظاہر ہے کہ خود حضورؐ اور صحابہ کرامؓ ان چار چیزوں پر ایمان لائے تھے (1) اللہ تعالیٰ (2) ملائکہ (3) کتب (4) رسل۔ غیر از کتاب وحی پر ایمان لانے کا کوئی ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔ مزید بھی قطعی حجت ہے کہ حضورؐ خود بھی صرف کتاب پر ایمان لائے تھے۔ کتاب کے علاوہ بھی اگر حضورؐ پر کوئی وحی ہوتی تو حضورؐ یقیناً اس پر بھی ایمان لاتے' اور اس آیت کریمہ میں بھی اس کا ذکر ضرور ہوتا۔

سورہ اعراف کی دوسری آیت ہے۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ (7:2)۔

یہ کتاب تم پر اس غرض سے نازل کی گئی ہے تاکہ تم اس کے ذریعہ ڈراؤ اور ایمان والوں کے لئے نصیحت کا باعث ہو اور تمہارے دل میں کوئی تنگی نہ ہو۔

اس کے ساتھ متصلہ آیت نمبر 3 میں ارشاد فرمایا **اتبعو ماانزل الیکم من ربکم**۔ تمہارے پروردگار کی طرف سے جو نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو۔

دونوں آیات پر غور کرنے سے ظاہر ہے کہ **کتاب** اور **ماانزل** ایک ہی چیز ہے کیونکہ دونوں کے لئے **ماانزل** کا لفظ کہا گیا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وانه لذکر لک ولقومک وسوف تسئلون (43:43)۔

تمہارے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے تم اسے مضبوط پکڑے رہو۔ اس میں شک نہیں کہ تم سیدھی راہ پر ہو اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور عنقریب ہی تم لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔

اس آیت کریمہ میں **اوحی الیک** کی وضاحت خود ہی فرما دی کہ **اوحی الیک** کا مطلب ذکر ہے اور ذکر کی توضیح سورہ انبیاء میں فرمائی کہ **وھذا ذکر مبارک انزلہ** اور یہ (قرآن) بھی ذکر ہی' مبارک ہے' ہم نے اس کو اتارا ہے۔ دونوں آیات سے ظاہر ہے کہ **اوحی الیک** ذکر یعنی قرآن ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ (2:159)۔

بے شک جو لوگ ان روشن دلائل اور ہدایتوں کو جنہیں ہم نے نازل کیا اس کے بعد چھپاتے ہیں جب کہ ہم کتاب میں لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کر چکے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ **ماانزل** کی وضاحت اور تبین کتاب میں کر دی گئی ہے اور **ماانزل** (یعنی وحی) کا کوئی حصہ بھی کتاب سے باہر نہیں ہے اور **ماانزل** (وحی) کا کتاب سے باہر ہونے کا تصور قرآن کریم کے خلاف ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاۗءَهُمْ عَمَّا جَاۗءَكَ مِنَ الْحَقِّ (5:48)۔

ہم نے تم پر بھی بحق کتاب نازل کی ہے۔ جو کتاب اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان ہے۔ جو کچھ تم پر خدا نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم بھی حکم دو اور جو حق بات خدا کی طرف سے آچکی ہے۔ اس سے کترا کے ان لوگوں کی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو۔

اس آیت حمیدہ میں **الکتب** اور **ماانزل** ایک ہی چیز کے لئے استعمال کیے گئے ہیں جو کہ قرآن کریم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ **ماانزل** صرف کتاب ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسری چیز **ماانزل** میں شریک نہیں ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (6:155)۔

اور یہ کتاب جس کو ہم نے نازل کیا ہے برکت والی کتاب ہے' تو تم لوگ اس کی پیروی کرو اور (خدا سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

تبدیلی نہیں کرتا۔ اس لئے اس گوشے میں مشیت خداوندی کے معنی ہوں گے خدا کے قوانین فطرت۔ یہاں **ما یشاء** کے معنی یہ نہیں ہوں گے کہ وہ جیسا چاہے کرے۔ یہاں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ کائنات میں سب کچھ خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ یعنی اس قانون کے مطابق جسے اس نے گوشہ اول میں متعین کیا تھا۔ اشیائے کائنات ان قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ان کی خلاف ورزی کر نہیں سکتیں۔

تیسرا گوشہ انسانی دنیا سے متعلق ہے۔ انسانی زندگی کے دو حصے ہیں۔ ایک کا تعلق اس کی طبیعی زندگی سے ہے۔ اس کے لئے طبیعی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ انسان کی زندگی کا دارومدار سانس لینے پر ہے یا سنکھیا موجب ہلاکت ہے۔ دوسرا حصہ اس کی انسانی زندگی کا ہے۔ اس کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ مثلاً یہ کہ ظلم کا نتیجہ تباہی و بربادی ہے اور عدل و احسان کا نتیجہ زندگی کی خوشگواریاں۔ یہ قوانین بھی اٹل ہیں لیکن انسان کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی بھی کر سکتا ہے۔ وہ ان قوانین کی خلاف ورزی تو کر سکتا ہے لیکن ان کے نتائج کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی اسے اس کا تو اختیار ہے کہ وہ سنکھیا کھا لے' لیکن اس کا اختیار نہیں کہ سنکھیا کھانے سے جو نتیجہ پیدا ہونا قانون خداوندی کی رو سے متعین ہے اسے بدل دے۔ یا مثلاً اسے اس کا اختیار ہے کہ وہ ظلم کی روش اختیار کر لے' لیکن یہ اختیار نہیں کہ وہ ظلم کی روش کے نتیجہ کو بدل دے لہٰذا' اس گوشے میں خدا کی قدرت یا اقتدار کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کا ہر قانون متعینہ نتیجہ پیدا کر کے رہتا ہے۔ اسے انسان بدل نہیں سکتا۔ انسان اپنے عمل میں تو آزاد اور بااختیار ہے لیکن اس عمل کے نتیجہ کو تبدیل کر دینے کا اسے اختیار نہیں۔ عمل کی آزادی اور اختیار' انسان کو اس کے ہر فیصلے کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ اسی پر قانون مکافات عمل کی ساری عمارت استوار ہوتی ہے۔ یعنی اسے اس کے کئے کا پھل ملتا ہے۔ خدا نے جب انسان کو اس کا اختیار دیا ہے تو وہ نہ اس اختیار کو سلب کرتا ہے' نہ انسانی اختیار کے دائرے میں دخل دیتا ہے۔ اگر وہ دخل دے تو انسان اپنے فیصلہ اور عمل کا ذمہ دار نہ رہے اور اگر ذمہ دار نہ رہے تو پھر اس کی جزا اور سزا کیسی؟

ان تینوں گوشوں کو سامنے رکھ لیا جائے تو تقدیر اور مشیت کا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔ ان گوشوں میں تفریق اور تمیز نہ کرنے سے ساری الجھنیں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم **ما یشاء** (جو وہ چاہتا ہے) کے معنی ہر جگہ ایک ہی کرتے ہیں۔ حالانکہ مختلف گوشوں میں اس کا مفہوم مختلف ہوتا ہے۔ پھر سن لیجئے کہ کائنات میں ہر بات خدا کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق ہوتی ہے اور خدا نے انسان کو جس حد تک صاحب اختیار بنایا ہے' اس حد کے اندر' خدا انسانی معاملات میں دخل نہیں دیتا۔ البتہ انسان کا ہر عمل حتیٰ کہ اس کے دل میں گزرنے والا خیال بھی۔ خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ ان نتائج کو بدلنے پر انسان کا اختیار نہیں۔ مشیت کے معنی ہیں خدا کے مقرر کردہ قوانین' اور تقدیر کے معنی ہیں وہ اندازہ یا پیمانہ جس کے مطابق کسی شے کو بنایا گیا ہے۔ اسی کو اس شے کے خواص کہا جائے گا۔ یا وہ حد جس تک وہ جا سکتی ہے۔ انسان کی قسمت یا تقدیر (عام عقیدہ کے مطابق) پہلے سے لکھی ہوئی نہیں۔ یہ اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھوں سے لکھتا ہے۔ یعنی جس قسم کے اعمال اس سے سرزد ہوں' اسی قسم کا یہ بن جاتا ہے۔ (طلوع اسلام کے لٹریچر سے ماخوذ)

زندہ قومیں آراء کے اختلاف کے باوجود ہمیشہ رواداری سے کام لیتی ہیں۔ اس مضمون میں ہماری کوشش یہی رہی ہے کہ ہم اپنا نقطہ نگاہ واضح کر دیں۔ کسی کی دل شکنی کا ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ لفظ "ملا" کی تکرار خود مولانا صفدر صاحب نے کی ہے۔ ہمارے نزدیک تمام انسان واجب التکریم ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد منور

کتاب سے شکوہ

اے کتاب ! تم مجھے بہت ہی عزیز ہو' تم ماضی کی داستان سناتی ہو' حال کی ترجمانی کرتی ہو' تم مستقبل کی پیامبر ہو' تم اولاد آدم کے احساسات کا محافظ خانہ اور امیدوں کا اندوختہ ہو' تم کامرانیوں کا گنجینہ اور عبرتوں کا مرقع ہو۔ تم بسیط فطرت کا آئینہ ہو کہ جو صاحب نظر اس میں جھانکے وہ "کبھی جھومے کبھی لرز جائے"۔

تم حافظ شیراز کے معشوق کی طرح "بہ شیوہ ہر کس برابر" ہو۔ تمہارا شاعروں سے دوستانہ' انشا پردازوں سے رابطہ' فلسفیوں سے میل جول' سائنس دانوں سے خلوص' مہندسوں سے ملاپ' رندوں سے اختلاط' زاہدوں سے نامہ و پیام اور منتیوں سے تبادلہ سلام ہے' حق یہ ہے کہ تم عظیم الشان دلربا ہو' اور تم ان لمحات کی مونس و غمگسار ہو "جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا"۔

میں نے تمہاری شان میں جو کچھ کہا ہے وہ اوپری دل سے نہیں کہا' محسوس کر کے عرض کیا ہے۔ تمہارے بارے میں میرا عمومی احساس فی الواقع یہی ہے' لیکن دیکھو ایک روز تم نے مجھے مولانا حالی کا یہ شعر پڑھایا تھا اور پھر مجھ سے داد بھی طلب کی تھی۔

باتوں سے شکایت کی' بو آتی ہے الفت کی
گر دل میں جگہ ہوتی' لب پر بھی گلا ہوتا

چنانچہ میں استقرار محبت اور اثبات عشق کی خاطر اپنی چند شکایات تمہاری خدمت میں پیش کرنے لگا ہوں۔ برا نہ مانو شکوہ محبت کی نشانی ہے نا؟ جہاں کسی کو کسی سے سروکار نہ ہو وہاں شکوہ کیسا؟ محبت کرنے والے کمبخت ویسے بھی کچھ زیادہ ہی حساس واقع ہوئے ہیں اور یہ حساسیت انہیں ہر لحظہ "غیر محفوظ" (Insecure) ہونے کا شعور دلاتی ہے' اس لئے محبت کرنے والوں کا اجتماعی مزاج یہی ہے کہ جس سے بھی محبت کریں گے اس سے شکایت ضرور کریں گے۔ وہ میرا ایک دوست تھا ابو طالب کلیم' اسے وفات پائے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا--- آخر تین سو سال کس گنتی اور شمار میں ہیں--- تمہیں یاد ہو گا اس سے میرا تعارف تمہیں نے کرایا تھا اور یہ کہہ کر کہ "یہ عزیز ابو طالب کلیم نامی ملک الشعرا ہیں اور ان شہنشاہ کے ہیں جن کو صاحب قران ثانی شاہجہان کے طور پر یاد کیا جاتا ہے" میں آج تمہیں اسی کلیم کا ایک شعر سناتا ہوں ۔

نیست بگیتی دو چیز' جستم و کم یافتم
عاشق بے شکوہ را' آتش بے دود را

یعنی "کلیم کو دو چیزیں تلاش بسیار کے باوصف نہ ملیں یا نہ ہونے کے برابر ملیں ایک عاشق بے شکوہ اور دوسری آتش بے دود"----- اس مضمون کے دوسرے حصے کو بجلی کے اور سوئی گیس کے چولہوں نے بڑی حد تک خراب کر دیا ہے' مگر پہلا حصہ جو ہم عاشقوں سے تعلق رکھتا ہے ہماری ہی طرح پائدار ہے---- ہاں تو میں اگر شکایت نامہ پیش کرنے لگا ہوں تو اس سے یہ نہ جان لینا کہ میری محبت میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے بلکہ جب شکوہ سر ہو رہا ہو اس وقت احساس محبت اپنی انتہائی شدت پر ہوتا ہے' میرا مطلب سمجھ گئی ہو نا

محترمہ!------ لو پھر اب "خوگر حمد سے تھوڑا سا گلا بھی سن لو"----- مگر دل کو ذرا مضبوط کر کے سننا۔

سب سے پہلے تو مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ تمہارا کنبہ سود در سود کے حساب سے بھی زیادہ حیران کن بلکہ پریشان کن صورت میں پھیل رہا ہے۔ تم اپنے اعزہ کو خاندانی منصوبہ بندی کے فائدوں سے آگاہ کرو اور بڑی سختی سے اس منصوبے پر عمل کراؤ------ تمہارے کنبے کا یہ بے پناہ پھیلاؤ بنی نوع انسان کے لئے عذاب بن رہا ہے۔ عذاب اس طرح کہ تحصیل علم کی راہیں کٹھن ہوتی جا رہی ہیں' دیکھو میں پہلے تمہیں باغ اور جنگل کی مثال دے کر کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں اگرچہ تم کند ذہن نہیں ہو تاہم میں جو معلم ٹھہرا لہٰذا عادت سے مجبور ہوں۔

تمہیں معلوم ہے کہ پودے جب کسی ترتیب اور مقدار کے پابند ہوں تو خوش منظر باغ کہلاتے ہیں' لوگ آتے ہیں حسین منظر کی داد دیتے ہیں' رنگ و بو سے لطف اٹھاتے ہیں' سیر کرتے ہیں کبھی یہاں بیٹھ رہے' کبھی وہاں بیٹھ رہے' کہیں دوڑنے لگے' کہیں لیٹ رہے۔ گویا باغ کی روح افزا فضا سے جسم و جان کو تقویت کی خوراک کھلا پلا کر چلے جاتے ہیں' مگر جب پودوں کی افراط ہو اور وہ گھنے ہوں' تو وہ باغ کے بجائے جنگل کہلاتے ہیں' بعض جنگل اتنے دشوار گزار ہوتے ہیں کہ ان میں داخل ہو کر مختلف پودوں کا دیکھنا' ان کا رنگ و بو سے لطف اندوز ہونا' سیر کرنا' لیٹنا' بیٹھنا بھاگنا وغیرہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ نہ مشاہدہ' نہ تفریح' نہ تقویت جان' نہ طاقت روح' نگاہ اشتیاق کناروں پر رکھی رہ جاتی ہے' اگر داخل ہونے کی کوشش کرے تو پہلے ہی قدم پر نہ الجھی تو دوسرے پر الجھی' سلجھنے کی کوشش میں مزید الجھی اور پھر اٹک کر رہ گئی۔

اے کتاب تمہارا کنبہ علم کو گھنے جنگل کی طرح دشوار گزار بنا رہا ہے' علم کی کسی ایک شاخ تک رسائی حاصل کرنا چاہیں تو ہزاروں بے خار اور خاردار شاخیں سر راہ نظر آتی ہیں---- کام کی بات تو تمہارے کنبے کے چند ہی افراد کے یہاں ہوتی ہے' باقی ایک دوسرے سے سن کر ایک دوسرے کو سنانے چل کھڑے ہوتے ہیں۔ اور اپنی جگہ "حوالہ دار" یا یوں کہئے کہ حوالوں کے تحویل دار بن بیٹھتے ہیں۔ نتیجتاً" اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ اگر خود مرزا غالب یا حضرت علامہ اقبال ایم اے اردو یا فارسی میں غالبیات یا اقبالیات کا پرچہ رکھ بیٹھیں تو انشاء اللہ فیل ہو کر رہیں گے' فیل ہونے کا باعث یہ ہو گا کہ بہت سے "فلاں وہانویوں" نے جو بے شمار کتابیں لکھ کر غالبیات و اقبالیات کے جنگل بنا دیئے ہیں ان میں خود غالب و اقبال بھی گھس نہیں سکتے۔ اور پھر چونکہ وہ ان "فلاں وہانیوں" کی کتابوں کا حوالہ نہ دیں سکیں گے جو تاجران علم کے کاروبار کی ساکھ ہیں تو لابد ہے کہ فیل ہوں گے---- مجھے میرے ایک دوست نے جو شکسپیئر سے پرخلوص روابط کے مدعی ہیں' ایک روز بڑے رازدارانہ لہجے میں بتایا کہ خود شکسپیئر ایم۔ اے انگریزی کے اس پرچے میں جو اسی کے متعلق ہے بارہا فیل ہو چکا ہے' اور اب اس نے ایم اے انگریزی کا امتحان پاس کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا ہے۔

اے کتاب ! تمہارے کنبے کے اس بے پناہ پھیلاؤ اور دشوار گزاری ہی نے بڑی حد تک علم کو کبوتر خانوں میں تقسیم کر دینے کی راہ ہموار کی ہے۔ پھر ان کبوتر خانوں کا ہر خانہ کئی بیضہ خانوں میں منقسم ہے' ان تنگ تر خانوں کے مکین اخصائی یا سپیشلسٹ کہلاتے ہیں' یہ اختصاص' علم کے تقریباً" ہر شعبے میں رواج پا رہا ہے اور اس طرح کہ ہر شعبہ تقسیمات کی شعبدہ گری دکھائی دینے لگا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ایک شعبہ علم کی ناک کے دائیں نتھنے کا اخصائی نیو یارک میں ہے تو بائیں نتھنے کا ماسکو میں۔ دائیں ٹخنے کی ایک شریان کا ماہر لندن میں ہے تو دوسری شریان کا ماہر ٹوکیو میں۔

کیا دن تھے ارسطو کے۔۔۔۔ اس کے زمانے میں پائی جانے والی مشہور کتابوں میں سے اکثر خود اس کی اپنی تصنیف تھیں' ارسطو کے بعد بھی صدیوں تک ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے' جو علم کے جامع قرار پاتے تھے۔ وہ بیک وقت بہت کچھ ہوتے تھے۔ منجم بھی' طبیب بھی' فلاسفر بھی' سائنس دان بھی' فقیہ بھی اور شاعر بھی' علوم کی روز افزوں قدرتی پیچیدگیاں بجا لیکن اگر تمہارا کنبہ کثرت آبادی کے ذوق کو جنوں نہ بنا لیتا تو کم از کم سپشلسٹوں کے مابین اس قدر وسیع فاصلے نہ حائل ہوتے' اور جیسا کہ بعض موقعوں پر نظر آتا ہے' اختصاص وجود علم کے اترے ہوئے ناخنوں' پھٹی ہوئی جرابوں اور سگریٹ کی خالی ڈبیوں کی طرح عبث ہو کر نہ رہ جاتا۔

اس شکایت سے دوسری شکایت بالکل اسی طرح خود بخود پیدا ہوتی ہے جس طرح کسی شخص کی انگلی ہلانے سے اس انگلی کی انگوٹھی بغیر کسی جرم و خطا کے بے آرام ہو' یہ کتابیں جو محض دیکھا دیکھی' گھونگھٹ اتارے' دکانوں' گھروں اور لائبریریوں پر حملہ آور ہیں اکثر اوقات ایک دوسری کی ہم ادا وہم فہم ہوتی ہیں۔ عموماً" کوئی نئی ادا نہیں دکھاتیں' کوئی بات نہیں بتاتیں۔۔۔۔ مگر ان کے نیاز مند تفاخر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے میں فلاں موضوع پر سند ہوں مجھ سے ذرا سنبھل کر بات کرنا ورنہ کتابوں کے نام ان کے مصنفوں کے ناموں سمیت دے ماروں گا' کوئی ضرب پہنچے تو میں ذمہ دار نہ ہوں گا' دوسرا کہتا ہے میں سند ہوں' مجھ سے گفتگو کرتے وقت ذرا احتیاط ملحوظ رکھنا نہیں تو:

دھرتی ہلے گی جب پسرِ سعد آئے گا

اگر کوئی ان بزرگوں اور عزیزوں سے پوچھے کہ حضرت آپ کے اسناد کی بنیاد کیا ہے تو عموماً" جواب ملتا ہے "میں نے اس موضوع پر ایک سو گیارہ کتابیں پڑھی ہیں فہرست ملاحظہ ہو"۔ اور "ملاحظہ ہو" اسی دھونس کی ادا کے ساتھ کہا جاتا ہے جس دھونس کی ادا کے ساتھ کوئی مغرور اور برخود غلط شاعر پھسپھسی غزل پیش کر کے داد وصول کرنے کا ارادہ فرمائے۔

اب تمہیں انصاف کرو' کیا یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص نے تو اس موضوع پر کام کی ایک کتاب پڑھ کر بات پالی ہو اور دوسرے نے پانچ سو کتابیں دیکھ کر بھی کچھ نہ سمجھا ہو؟ میں نے ممکن بات کہی ہے نا؟ تم خود بھی جانتی ہو کہ تمہارے نیاز مندوں کی عمارت وجود کی بالائی منزل ہوا دار ہوتی ہے' اب کوئی ایسا شخص جو پانچ سو کتابوں کے مافیہ طوطے کی طرح رٹ بھی لے تو کیا؟ اسے کتابوں کی ایک فہرست با تشریح کہہ لیجئے یا زیادہ سے زیادہ پانچ سو کتابوں کی ایک الماری قرار دے دیجئے' مگر الماری چوکیداری تو کرتی ہے' عالم تو نہیں ہوتی' تمہیں نے ایک روز بتایا تھا کہ کسی نے امام رازی سے کہا "فلاں شخص نے صحیح بخاری مع اسناد حفظ کر لی ہے" تو امام رازی نے فرمایا تھا "چلو اچھا ہوا' شہر میں بخاری شریف کا ایک اور نسخہ بڑھ گیا" یاد رہے کہ یہ کتاب بخاری شریف تھی' کوئی معمولی شے نہ تھی۔۔۔۔ تم جواب میں کہو گی کہ کثرت مطالعہ کی دھونس جمانے والوں کے قصور کی ذمہ دار میں کیوں؟۔۔۔۔ دیکھو بلاواسطہ نہ سہی بالواسطہ ہی سہی قصور تمہارا ہی ٹھہرتا ہے۔ میرے بزرگ دوست مرزا غالب نے خلق خدا کے خون کا سبب اگر یار کی مست خرامی کو قرار دیا تھا تو اس مست خرامی کی اعانت کا بارضرور موج مئے پر ڈال دیا تھا۔

ثابت ہوا ہے گردنِ مینا پہ خون خلق!
کانپے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر

تو ان بے دانش مغروران علم کی رگ گردن کو تناؤ کی جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی ایک نہ ایک واسطے سے ذمہ داری تمہیں پر عائد ہو گی۔

ایک شکایت اور بھی ہے' وہ یہ کہ جب تمہیں کسی

دور میں اعتبار و وقار حاصل ہو جاتا ہے تو پھر تم آئندہ ادوار کے بدلے ہوئے حالات سے آگاہ ہونے کے باوصف بعض اوقات اپنے وقار کی مدافعت پر خواہ مخواہ اڑ جاتی ہو۔ چونکہ تمہاری آراء کا سکہ عرصہ دراز تک چل چکا ہوتا ہے لہٰذا تمہاری آراء سے اختلاف کرنے والوں کو اول تو خود ہی اظہار رائے کی ہمت نہیں ہوتی اور اگر کسی قدر ہمت ہوتی بھی ہے تو تمہارے پرانے نیاز مند دیوانہ وار اس نئے "بندہ گستاخ کا منہ بند" کرنے بلکہ منہ توڑنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ زمانہ سیل رواں ہے' روز نئے حقائق سامنے لاتا ہے مگر تم ہو کہ افکار و آراء کا عجائب گھر بن کر سنگین مجسموں اور بعض اوقات حنوط شدہ پیکروں کے بل بوتے پر زندہ افکار و آراء کا مقابلہ کرنے لگتی ہو۔۔۔۔ تم جو کچھ بھی ہو بہرحال زندگی کے کسی پہلو کے کسی کروڑویں' اربویں حصے کی نامکمل سی تصویر ہو یا تفسیر ہو۔ زندگی آگے نکل جاتی ہے' تم پیچھے رہ جاتی ہو' یہ بالکل ناگزیر امر ہے مگر تم چاہتی ہو کہ جہاں تک بس چلے زندگی کو متحجر کر کے اپنے مسکنوں میں ڈال لے۔ تمہارے مسکن جنہیں عرف عام میں لائبریریاں کہا جاتا ہے ایک حد تک بوسیدہ افکار کے ممی خانے ہوتے ہیں ہاں مگر میں نے کہا ہے "ایک حد تک"۔

ایک تماشا اور بھی رونما ہوتا ہے' وہ یہ کہ تمہارے اوراق کی آغوش راحت میں آرام فرمانے والے نظریے باہم ٹکرانے لگتے ہیں' گھمسان کا رن پڑتا ہے' مگر کشتوں کے پشتے نہیں لگتے' جہاں قطرہ قطرہ خون گرتا ہے وہیں سے نئے نظریات پھوٹ نکلتے ہیں۔ یعنی نظریات کا تصادم ہی نظریات کو جنم دیتا ہے۔ مطلب واضح ہے کہ ایسے نظریات براہ راست زندگی کی پیداوار نہیں ہوتے۔ وہ منطق' جرح اور تنقید و تنقیح کی پیداوار ہوتے ہیں' اس طرح وہ نظریے ٹھوس حقائق سے رفتہ رفتہ دور ہوتے چلے جاتے ہیں' ایک کتاب سے نکلتے ہیں اور دوسری میں گھس جاتے ہیں' لازماً" زبان بھی وہ نہیں رہتی جو عام فہم ہو' اس لئے کہ نظریوں کے تصادم میں اصطلاحیں زیادہ کام دیتی ہیں اور عام زبان بیچاری کام آجاتی ہے' پھر دشت زندگی کے ان آہوان رمیدہ کی چوکڑیوں پر مرنے والوں کا جو حشر ہوتا ہے وہ ظاہر ہے' ایسے دیوانے بیچارے معلق ہو کر رہ جاتے ہیں' اصطلاحوں میں محصور' زندگی سے انہیں کوئی فراری قرار دیتا ہے' کوئی کاروان زیست کے بے مایہ غبار کا پسماندہ کہتا ہے اور کوئی "انٹلکچوئل" کے نام گرامی سے یاد کرتا ہے۔ تمہیں بتاؤ کیا ایسے قابل رحم لوگ تمہارے ہی ستم رسیدہ نہیں؟

علم کا معنی ہے جاننا' آگاہ ہونا' اس کا مطلب عقل مند ہونا ہرگز نہیں' یعنی تمہاری بدولت بنیادی طور پر نیاز مندوں کی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے نہ کہ عقل میں۔ عقل کی پرورش اس کی جبلی صلاحیت کے تناسب سے ہوتی ہے لیکن دیکھا یہ ہے کہ جن لوگوں کو تمہارا زہر چڑھ جاتا ہے وہ فقط عالم کہلانے پر اکتفا نہیں کرتے' وہ عاقل کہلانے کے جنون میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں' ویسے ان لوگوں کا عمومی انداز گفتگو یہ ہوتا ہے کہ چھوٹتے ہی اپنے مخاطبین کو "حوالہ باری" کا ہدف بنا لیتے ہیں فلاں نے اس ضمن میں یہ فرمایا ہے' فلاں نے یہ ارشاد کیا ہے' فلاں کا یہ فیصلہ ہے' فلاں کی یہ رائے ہے گویا اقوال کے کنکر اور موتی اکٹھے پھینکتے چلے جاتے ہیں۔۔۔۔ وہ شمع ادراک ان کے پاس نہیں ہوتی جس کی روشنی میں تجزیہ و تمیز کر سکیں' پھر تم خود ہی بتاؤ کہ اگر کوئی شخص تنگ آجائے اور ان "حوالہ باری" کرنے والوں سے پوچھ بیٹھے کہ عزیزو' بزرگو میں آپ سے بات کرتا ہوں' آپ جواب کسی آنجہانی سے لاتے ہیں' اگر میں یہ پوچھوں کہ فلاں مسئلے کے بارے میں ارسطو کی کیا رائے ہے تو ضرور بتاؤ کہ ارسطو کی رائے یہ ہے' مگر جب رائے آپ کی پوچھی جائے اور آپ جواباً" کسی

اور بزرگ کا قول میرے سر پر دے ماریں تو یہ کہاں کی شرافت ہو گی؟ کیا آپ دوسروں کا آموختہ دہرانے والے میاں مٹھو ہی رہیں گے' خود کچھ نہ سوچیں گے؟ خدا کے لئے یہ بتائیں کہ اس مسئلے پر آپ نے بھی کبھی کچھ سوچا؟ پھر آپ کی اپنی رائے کیا ہے؟

بات تو وہی ہے کہ علم ایک الگ آفت کا نام ہے اور عقل ایک الگ بلا کا نام ہے۔ لیکن اے کتاب ! نام لے کر دونوں چیزوں کو باہم گڈمڈ کر دیا جاتا ہے ہم آئے دن سنتے ہیں کہ دیکھو صاحب ! فلاں شخص اتنا پڑھا لکھا ہے مگر اس نے یہ کیا ہی احمقانہ حرکت فرمائی ہے' یا یہ کہ فلاں شخص کے پاس اتنی علمی سندیں ہیں مگر اس کا طور طریقہ اور کردار ایسا اور ایسا ہے۔ حق یہ ہے کہ تم میں کسی کے ضمیر یا ضمیر کو بدلنے کی صلاحیت بہت ہی کم پائی جاتی ہے' اے کتاب ! تم روشن چراغ ہی سہی مگر ان کے لئے جن کی آنکھیں بابصر ہوں۔ لہٰذا تمہاری بدولت علمی سند پانے والے اور اس بنا پر عقل کی ڈینگیں مارنے والے دیوانوں کا علاج یہ ہے کہ ان کے لئے کتابوں ہی کو اینٹوں کی جگہ برت کر ان کی قبر تعمیر کی جائے اور انہیں اس قبر میں ان کی سندوں کے کفن میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

ہے نا ظلم کی انتہا؟ ہم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے تاریخ کی اتنی مستند کتابیں پڑھ رکھی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ بڑا نیک اور ہمدرد ہمسایہ ہے۔ ہم کہتے ہیں' یہ کیا تک ہے؟ پھر ہم کو بتایا جاتا ہے کہ فلاں نے ادب پر اتنے درجن کتابوں کی شرح لکھی ہے لہٰذا واضح ہو گیا کہ وہ شریف آدمی ہے' ہم عرض کرتے ہیں کہ یہ کیا گھپلا ہے؟ بھلا اس کا اس سے کیا تعلق ہے؟ پھر ہم سے کہا جاتا ہے فلاں نے علوم عسکری کی اتنے درجن چوٹی کی کتابیں ملاحظہ کی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ بڑوں کا ادب کرتا ہے' ہم پوچھتے ہیں بھئی اس کا اس سے کیا ربط؟ پھر ہم سے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کے پاس انجینیری کی اتنی اور اتنی اور اس اور اس درجے کی کتابیں ہیں جن کو سمجھے بغیر انجینیری کی سند حاصل نہیں کی جا سکتی لہٰذا ثابت ہوا کہ وہ محب وطن ہے؟ ہم کہتے ہیں اس کا اس سے کیا واسطہ؟ وعلی ہذا القیاس-----! دیکھا اے کتاب تمہارے نام سے کیا کیا کھیل کھیلے جا رہے ہیں؟

اے کتاب ! ان باتوں کے علاوہ ایک بڑا نازک معاملہ تمہارے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آیا کبھی فرصت کے لمحات میں تم نے سوچنے کی زحمت گوارا کی کہ تم جن اشخاص کے فکر و ذہن کی نمائندگی کر رہی ہو وہ واقعی اپنے دور کے سب سے اعلیٰ مفکر اور عالم تھے یا ہیں؟ تم سینکڑوں برس سے جن کے افکار کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہو کیا پتہ وہ اپنے دور کے معمولی اہل علم میں شامل کئے جاتے رہے ہوں----- کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے کتابیں نہیں لکھیں وہ علمی دنیا کے مشاہیر سے بدرجہا بہتر علمی' فکری اور تحقیقی صلاحیتوں کے مالک ہوں؟ اس لئے مجھے تم سے یہ بھی شکایت ہے کہ تم حتمی طور پر عظیم ترین عالم' مفکر اور محقق افراد کی نمائندہ نہیں ہوتیں۔ کبھی سوچا تو ہوتا کہ اے کاش کہ وہ اور وہ لوگ کچھ لکھتے' بارہا یوں ہوتا ہے کہ جو عالم ہیں وہ لکھتے نہیں اور جو لکھتے ہیں وہ عالم نہیں--- مگر تمہیں کیا' تمہیں تو اپنی انفرادی اور اجتماعی خودی کی نگہبانی کرنی ہے۔ ہم جئیں' ہم مریں تمہاری بلا سے' بقول حالی ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

میں دیکھ رہا ہوں کہ تم برا مان گئی ہو' تم میں اب مزید کچھ سننے کی تاب نہیں' تم بھرپور جواب شکوہ ارشاد کرنے پر تلی بیٹھی ہو۔ میں جواب شکوہ ضرور سنوں گا' مگر کسی آئندہ ملاقات پر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رشید احمد (سولت)

قرآنی انقلاب کیسے آئے گا؟

قرآن امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اسلامی مملکت و حکومت کا بنیادی فریضہ قرار دیتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ط (22:41)- امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اصطلاح آج کل عام استعمال ہوتی ہے اور اس سے مراد وعظ و نصیحت لی جاتی ہے۔ بالخصوص تبلیغی جماعت کے ہاں تو یہ اصطلاح بہت عام ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ چونکہ وہ لوگوں کو نیکی پر آمادہ کرنے اور برائی سے روکنے کیلئے وعظ و نصیحت کرتے ہیں اس لئے وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ خود گواہی دے رہے ہیں کہ ان سے لیا گیا مفہوم سراسر غلط ہے۔ کیونکہ "امر" ان الفاظ کے شروع میں آتا ہے جس کے معنی حکم کے ہیں۔ حکم اور نصیحت یا وعظ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ نصیحت کرنے والا واعظ نیکی پر عمل کرنے اور برائی سے بچنے کیلئے صرف وعظ کر سکتا ہے اور اگر کوئی اس کے وعظ پر عمل نہ کرے تو وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جبکہ حکم کیلئے ایک ایسی اتھارٹی (حکومت) کی ضرورت ہوتی ہے جو حکم عدولی کی صورت میں سزا دے سکے۔ قرآنی اصطلاح میں معروف سے مراد وہ تمام اعمال و افعال ہیں جن کو ایک اسلامی معاشرے میں ہر وقت جاری و ساری رہنا ہو' جبکہ منکر سے مراد وہ کام ہیں جو قرآنی اقدار کے خلاف ہوں۔

سورۃ الحج کی مندرجہ بالا آیت سے یہ بات واضح ہے کہ " امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا فریضہ سرانجام دینے کیلئے بنیادی شرط اسلامی حکومت کا قیام ہے۔ مگر جو لوگ ان الفاظ سے وعظ و نصیحت مراد لیتے ہیں وہ سیاست و حکومت کو مسلمانوں کیلئے شجر ممنوعہ سمجھتے ہیں اور وہ لوگوں کی انفرادی اصلاح کو ہی دین کا مقصد سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی مندرجہ ذیل آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ حکومت کے بغیر دین کا قیام ناممکن ہے۔

(الف) وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ ○ (5:44)- (جو لوگ خدا کے نازل کردہ ضابطہ قوانین کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ کافر ہیں (یعنی وہ قرآنی احکام سے عملی انکار کرتے ہیں۔)

(ب) وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۪ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ... (24:55)- (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور صلاحیت بخش کام کئے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے دین کو متمکن کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند فرمایا ہے۔)

(ج) فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (5:48)- (ان کے مابین اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ ضابطہ قوانین کے مطابق فیصلہ کرو۔)

(د) اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ○ (12:40)- (حق حکومت صرف خدا کو حاصل ہے اس نے حکم دیا

ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومی اختیار نہ کی جائے۔ یہی دین محکم ہے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔)

دین ایک وحدت کا نام ہے اور اگر اس کے حصے بخرے کر کے بعض حصوں پر عمل کیا جائے اور بعض کو چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ دین نہیں رہتا اور قرآن نے پورے دین پر عمل نہ کرنے کو شیطان کی تابعداری سے تعبیر کیا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (2:208)- (اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اس کی تابعداری نہ کرو یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو لوگ دین کے بعض حصوں پر عمل کرتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں ان کا انجام دنیا کی رسوائی اور آخرت کا شدید عذاب ہے۔ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ (2:85)-

دین کامل کی مثال پانی جیسی ہے۔ جو ایک حیات بخش شے ہے اور اگر اسے آگ پر ڈال دیا جائے تو آگ فوراً بجھ جاتی ہے۔ پانی درحقیقت دو گیسوں یعنی ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ پانی تب پانی ہے جب اس میں یہ دونوں گیس ایک خاص تناسب سے موجود ہوں۔ لیکن یہ دونوں گیس یا ان میں سے کوئی ایک گیس الگ ہو جائے یا اس کے خاص تناسب میں فرق آجائے تو پھر پانی آگ بن جاتا ہے۔ کیونکہ ہائیڈروجن کی خاصیت یہ ہے کہ یہ جلتی ہے اور آکسیجن جلنے میں مدد دیتی ہے۔ بالکل یہی مثال دین کی ہے۔ جب اس کے تمام گوشوں پر عمل کیا جائے تو یہ دین ہے لیکن اگر اس کے کچھ حصوں پر تو عمل کیا جائے اور کچھ حصوں کو ترک کیا جائے تو پھر یہ دین نہیں رہتا بلکہ لادینیت بن جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے رسول اللہؐ کے بعثت کا مقصد ہی دین کا قیام بتایا ہے سورۃ توبہ میں ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (9:33)- (اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ خدا کے عطا فرمودہ اس نظام حیات کو انسانوں کے خود ساختہ تمام نظامہائے حیات پر غالب کر دے۔ اگرچہ یہ بات مشرکین پر کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے۔)

رسول اللہؐ اور آپؐ کے صحابہؓ نے اس نظام کو نافذ کر کے تمام دیگر نظامہائے حیات پر غالب کیا تھا اور اس نظام کے درخشندہ نتائج کو دنیا نے دیکھ لیا تھا لیکن رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ کی رحلت کے بعد انسانوں کی مفاد پرستیاں' اجتماعی مفادات پر غالب آگئیں اور یوں دنیا میں عظیم انقلاب برپا کرنے والا دین اسلام ایک بے روح مذہب میں بدل گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ خدا کا عطا فرمودہ آخری پیغام قرآن کے دفتین میں تو آج بھی اصل شکل میں موجود ہے لیکن اس کے پیش کردہ نظام حیات کو آج کے دور میں کس طرح نافذ کیا جائے؟

قرآنی نظام کی تشکیل و تنفیذ ایک ایسا عمل ہے جس کی نظیر پہلے سے موجود ہے کیونکہ حضورؐ نے محض نظری طور پر دین کی تعلیمات کو لوگوں کے سامنے پیش نہیں کیا تھا بلکہ ان تعلیمات کی روشنی میں ایک نظام حیات نافذ کر کے انسانیت کے سامنے ایک قابل عمل نمونہ پیش کیا تھا اور سنت رسولؐ درحقیقت یہی ہے کہ قرآنی اصولوں کی بنیاد پر آج کے حالات کے مطابق دین کے نظام کو قائم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے حضورؐ کی حیات طیبہ کے اہم گوشوں کو اپنے دفتین میں ابدی طور پہ محفوظ کر لیا ہے۔ مزید یہ کہ ہم قیام دین کیلئے حضورؐ کے اختیار کردہ طریقہ کار جاننے کیلئے تاریخ اسلام سے بھی اس شرط پر استفادہ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی تعلیمات ہمارے سامنے ہوں تاکہ ہم قرآن کے بجائے تاریخ کی پیروی کرنے نہ لگ جائیں' ایک ایسی تاریخ کی جس کی صحت پر

سو فیصد اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ میرے خیال میں داعیان انقلاب قرآنی کیلئے مندرجہ ذیل نکات کو پیش نظر رکھنا چاہئے جن کے بغیر اس عظیم مقصد کیلئے اٹھائے جانے والے اقدامات خاطر خواہ نتائج پیدا نہیں کر سکتے۔

1- **نفسیاتی تبدیلی** :- قرآن خارجی انقلاب کیلئے انسانوں کے اندر نفسیاتی تبدیلی کو ناگزیر قرار دیتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ ط (13:11)- اور تاریخ اسلام سے یہ حقیقت ثابت ہو چکی ہے اس لئے کہ حضورؐ کی عمر بوقت وفات 63 سال تھی۔ چالیس سال کی عمر میں آپؐ پر پہلی بار وحی کا نزول ہوا اور نبوت ملنے کے بعد آپؐ 23 سال تک زندہ رہے ان 23 سالوں میں نصف سے زیادہ حصہ یعنی تیرہ سال آپؐ نے مکہ میں گذارے جبکہ باقی ماندہ دس سال کا عرصہ مدینہ میں گذرا۔ اگر ظاہری طور پر دیکھا جائے تو مکی زندگی کے تیرہ سال کا حاصل تقریباً تین سو مسلمان تھے۔ اس دور میں مسلمانوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور یہ عرصہ مسلمانوں کے لئے مشکلات و مصائب سے عبارت ہے۔ جبکہ اس کے برعکس مدنی زندگی کے دس سال مسلسل فتوحات' کامرانیاں اور انقلابات کی لامتناہی نویدیں لیکر آئے۔ بنظر تعمق دیکھا جائے تو مدنی زندگی کے انقلابات مکی زندگی کے ان تیرہ سالوں کی کارکردگی کا نتیجہ تھے جس کے دوران حضورؐ نے اپنی جماعت کے ارکان میں ایسی نفسیاتی تبدیلی پیدا کر دی تھی کہ حبش کا غلام ان کا بھائی بن گیا تھا جبکہ اپنے قوم (قریش) کے افراد دشمنوں کا روپ دھار چکے تھے۔ انہوں نے اپنی جان اور اموال اللہ تعالیٰ کے ہاتھ جنت کے بدلے فروخت کر دیئے تھے۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَ اَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط (9:111)- اسی نفسیاتی تبدیلی کا نتیجہ تھا کہ جنگ بدر میں چند سو بے سروسامان افراد نے ہزاروں کے مسلح لشکر کو شکست سے دوچار کیا۔

2- **ذاتی کردار کی پختگی** :- دین کے داعی کا ذاتی کردار ایسا ہونا چاہئے جس پر کوئی انگلی نہ اٹھا سکے اور نفسیاتی تبدیلی کا لازمی نتیجہ کردار کی پختگی ہوتا ہے۔ قرآنی نظام کے قیامؐ کا دعویٰ کرنے والے فرد کی ذاتی زندگی قرآن کی عملی تصویر ہونی چاہئے۔ حضورؐ نے جب لوگوں کو دین کی دعوت دی تو ان کے سامنے اپنے ذاتی کردار کو بطور چیلنج پیش کیا فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْکُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِہٖ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ (10:16)- (میں نے اس سے قبل تم میں ایک عمر گذاری ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔)

لہٰذا جن احکام قرآنی کا تعلق انفرادی زندگی سے ہو ان پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونا ایک داعی دین کیلئے مقصد کے حصول کی پہلی شرط ہے۔ مثلاً قرآن جھوٹ سے منع کرتا ہے' دیانتداری اور انصاف پر قائم رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ لیکن اگر دین کے قیام کا داعی یہ کہے کہ میں اسلامی حکومت کے قیام تک جھوٹ بولتا رہوں گا' دیانتداری اور انصاف کا خیال نہیں رکھوں گا اپنے اخلاق کو ذاتی مفادات کے تابع رکھوں گا اور اسلامی نظام کے قیام کے بعد ہی انسانوں کا احترام کروں گا تو ایسا شخص دین کیلئے نادان دوست کے مانند ہے اور ایسے افراد دینی تحریک کیلئے بدنامی کا سبب بن کر تحریک کو ناکامی سے دوچار کر دیتے ہیں۔ پس دین کے داعی کو زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں قرآنی احکام کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔

3- **ملی شعائر سے وابستگی** :- قرآنی انقلاب کے داعیان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ دین نے مذہب کی شکل اختیار کر لی ہے جس کی وجہ سے دینی شعائر کی شکل تو باقی ہے لیکن ان سے روح نکل چکی ہے۔ چنانچہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان شعائر مثلاً نماز' روزہ' حج وغیرہ میں پھر سے وہی اصل روح ڈال کر مذہب کو دین میں بدل دیا جائے۔ لیکن اگر ان شعائر کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ ان بے روح چیزوں کا کیا فائدہ تو اس سے بہت بڑا نقصان ہوتا ہے کیونکہ ان کو چھوڑنے سے دین کے نشانات راہ بھی مٹ جاتے ہیں۔ ان سے وابستہ رہ کر ہی ان میں پھر سے روح ڈالی جا سکتی ہے بقول اقبالؒ

ملت کے ساتھ رابطۂ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

طلوعِ اسلام سے وابستہ افراد میں یہ کمزوری بہت زیادہ ہے جو لوگ علامہ پرویزؒ صاحب کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں تو خود یہ نتیجہ اخذ کر لیتے ہیں کہ صلوٰۃ سے مراد نماز نہیں چنانچہ وہ نماز اور مسجدوں کا بائیکاٹ شروع کر دیتے ہیں۔ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ صلوٰۃ سے مراد صرف نماز نہیں لیکن یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل ہے کہ نماز نظام صلوٰۃ کا ایک اہم گوشہ ہے اور مندرجہ ذیل آیات میں صلوٰۃ لفظ صرف نماز کیلئے استعمال ہوا ہے۔

الف) إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ط (62:9)-

جب جمعہ کے روز نماز کیلئے اذان دی جائے تو خرید و فروخت ترک کر کے اللہ کے ذکر یعنی نماز کیلئے جلدی جلدی چل پڑو۔

ب) إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ○ -(4:103)

بے شک نماز مومنوں پر اوقات مقررہ میں فرض کی گئی ہے۔

ج) إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ط (5:6)-

اور جب تم صلوٰۃ کیلئے اٹھو تو منہ ہاتھ اور پاؤں دھو لو یعنی وضو کر لو۔

(د) وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ط -(5:58)

اور جب تم صلوٰۃ (یعنی نماز) کیلئے منادی کرتے ہو تو یہ (مخالفین) اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

(ر) يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ (4:43)-

اے ایمان والو جب تم مدہوشی کی حالت میں ہو تو نماز مت پڑھو اس وقت تک جب تمہیں معلوم ہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔

نماز کے متعلق قرآن حکیم کے واضح احکام کے باوجود اگر قرآنی انقلاب کا داعی نماز پنج گانہ کی ادائیگی میں غفلت برتتا ہے یا اس سے فرار کیلئے دیگر قرآنی آیات کا سہارا لیکر حیلے اور بہانے تراشتا ہے تو یہ طرز عمل جہالت یا منافقت کے زمرے میں آتا ہے۔

لہٰذا ملی شعائر سے وابستگی اور بالخصوص نماز پنج گانہ کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ دیگر بے شمار فوائد کے علاوہ دینی تحریک کے وابستگان کیلئے نماز کے دو فوائد تحریک کے مقاصد کے حصول میں خاص طور پر معاون ہیں۔ پہلا فائدہ یہ کہ ہر وقت نماز کی ادائیگی سے انسان کے اندر ڈسپلن پیدا ہوتا ہے۔ یعنی وہ جماعتی نظم و ضبط کا پابند ہو جاتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ روزانہ پانچ وقت نماز کی ادائیگی سے مقصد کی یاددہانی ہوتی رہتی ہے اور یوں قیام دین کیلئے ایک مرد مومن کا جذبہ کبھی ٹھنڈا نہیں پڑتا۔

4- ایک منظم جماعت کی ضرورت:- قرآنی انقلاب برپا کرنا کسی فرد یا افراد کے کسی غیر منظم گروہ کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ اس انقلاب کیلئے مخاطب قوم کی نفسیات بدلنی پڑتی ہیں۔ اس مشکل کام کیلئے سائنٹفک بنیادوں پر ایک منظم جماعت کی تشکیل کی ضرورت ہوتی ہے جو پہلے اس تنظیم کے اراکین کی تربیت کرے اور پھر وہ تنظیم پورے معاشرے میں تبدیلی کیلئے بطور خمیر استعمال ہو۔ ادارہ طلوع اسلام قیام پاکستان کے وقت سے لیکر اب تک مملکت پاکستان میں قرآنی انقلاب کیلئے راہ ہموار کرنے کی خاطر سرگرم عمل ہے لیکن اسے اپنی کوششوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ اگر طلوع اسلام کی کارکردگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ایک سالانہ کنونشن کے علاوہ اس ادارہ کی تمام سعی و کاوش علامہ غلام احمد پرویزؒ کے لٹریچر اور ماہنامہ طلوع اسلام کی اشاعت تک محدود ہے۔ پاکستان میں خواندگی کی شرح کم و بیش 30 فیصدی ہے اور ایک خواندہ شخص سے مراد ہے ایسا فرد جو اپنا نام لکھ سکتا ہو یا اردو کی سادہ تحریر پڑھ سکتا ہو۔ ان خواندہ افراد میں بہت سے ایسے ہیں جو اخبار یا رسالے کو سمجھ نہیں سکتے۔ ان

میں سے اکثر افراد کو مطالعے کا شوق نہیں یا ان کے پاس وقت نہیں اور جن کو مطالعے کا شوق ہے ان کی اکثریت دینی یا مذہبی لٹریچر سے دور بھاگتی ہے اور پھر سب سے اہم بات یہ کہ دینی لٹریچر کے شائقین میں سے ادارہ طلوع اسلام کتنے فیصد کو اپنا لٹریچر پہنچانے میں کامیاب ہوا ہے۔ نتیجہ یہ کہ گذشتہ نصف صدی میں ادارہ طلوع اسلام پاکستان کے ایک فیصد لوگوں تک بھی قرآن کا پیغام نہ پہنچا سکا اور اگر سفر اسی رفتار سے جاری رہا تو مستقبل بھی ماضی سے زیادہ مختلف نظر نہیں آرہا۔ علامہ پرویزؒ نے اپنی استطاعت سے بھی کئی گنا زیادہ کام سرانجام دیا ہے اور قرآنی لٹریچر کی صورت میں ایک ایسی مضبوط بنیاد فراہم کی ہے کہ جس پر ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر ہو سکتی ہے۔

یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ طلوع اسلام ایک علمی تحریک ہے اور اس کا مقصد ہنگامہ آرائی، فساد فی الارض اور دوسری مذہبی یا سیاسی تنظیموں کی طرح جذبات کا استحصال اور نعرہ بازی نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ بحیثیت تحریک ادارہ طلوع اسلام نے گذشتہ نصف صدی میں کتنے افراد میں نفسیاتی تبدیلی پیدا کی؟ اگر اس سوال کا کوئی تسلی بخش جواب نہ ہو تو قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہم یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یا تو ہم راہ راست سے بھٹک گئے ہیں اور یا ہمارا طریقہ کار قرآنی تعلیمات کے مطابق نہیں کیونکہ یہ تو قرآن کا دعویٰ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ...
(24:55)

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے صلاحیت بخش کام کئے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا کرے گا جس طرح اس نے ان سے پہلے لوگوں کو عطا کی تھی اور ان کے دین کو متمکن کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے پسند فرمایا ہے۔

ادارہ طلوع اسلام جس رفتار سے قرآنی تعلیم کو آگے بڑھا رہا ہے اس رفتار سے تو مشیت خداوندی کے مطابق انسانیت خود بخود نظام خداوندی کی جانب راغب ہو گی۔ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ...
(41:53)

لیکن ہمارا اس میں کردار کیا ہوا۔ انسان کی رفاقت کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اس عمل کو تیز سے تیز تر کیا جائے۔ اگر انسان ایسا نہیں کر رہا یا نہیں کر سکتا تو پھر اس کی رفاقت کا دعویٰ ہی جھوٹا اور بے معنی ہے۔

آج دنیا انسانوں کے خود ساختہ نظامہائے حیات کی وجہ سے تباہی کے کنارے کھڑی ہے۔ مظلوم سوالیہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں لیکن انہیں کیا پتہ کہ ان کے الجھے ہوئے مسائل کا شافی علاج تو دور نہیں ان کے آس پاس قرآن حکیم کی صورت میں موجود ہے۔ ہم انہیں یہ نسخہ کیمیا اس لئے نہیں بتا رہے کہ مظلوم ابھی ان پڑھ ہے جب وہ لکھنا پڑھنا سیکھ لے تو پھر خود بخود (یعنی بغیر کسی تنظیمی تربیت کے) اس میں نفسیاتی تبدیلی پیدا ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں انقلاب برپا ہو کر مظلوم کو ظلم سے نجات مل جائیگی۔ لیکن اس روش پر قائم رہ کر ہم خود فریبی میں مبتلا ہیں اور نادانستہ ایک جرم عظیم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ مظلوموں کی آہوں کی زد میں ہم بھی ہیں کیونکہ ہم نادانستہ ہی سہی ان پر ڈھائے جانے والے مظالم میں بالواسطہ طور پر شریک ہیں۔

پس چہ باید کرد! ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن کو معاشرے کو درپیش مسائل کے عملی حل کے طور پر پیش کیا جائے اور یہ پیغام ہر تعلیم یافتہ اور ان پڑھ، ہر شہر اور دیہات، ہر محلے اور گلی اور ہر ایوان اور ہر گھر میں پہنچایا جائے کہ قرآن بلا سمجھے تلاوت کرنے اور مردوں کے ایصال ثواب کیلئے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی، معاشرتی اور سیاسی اور معاشی و دیگر تمام مسائل کا حل زمانے کے تقاضوں کے مطابق پیش کرتا ہے اور قرآن وہ معاشرہ تشکیل دیتا ہے جس کے افراد آج کے غم اور کل کے فکر سے آزاد ہوتے ہیں

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○ (2:62)- پھر دیکھئے کہ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کس طرح پیغام حق کی طرف لپک کر آتے ہیں وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○ (110:2)- لیکن اس مقصد کیلئے ایک منظم اور فعال تنظیم کی ضرورت ہے جو دین حق کے پیغام کو ملک کے کونے کونے میں پہنچانے کے ساتھ ساتھ اپنے اراکین کی عملی تربیت اور ان کے اندر نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کا اہتمام بھی کر سکے۔

تاریخ شاہد ہے کہ حضورؐ اور آپؐ کے جاں نثار ساتھیوںؓ نے قرآن حکیم کی اصولی ہدایات پر اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق عمل کر کے 23 سال کے مختصر عرصے میں دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا کیا تھا وہی عمل آج بھی ان جیسے نتائج پیدا کر سکتا۔ بقول اقبالؒ

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

سانحہ ہائے ارتحال

محترم عبدالحلیم صاحب رکن بزم طلوع اسلام لاہور و کراچی کی اہلیہ انتقال کر گئی ہیں اللہ تعالیٰ متوفیہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے- ادارہ پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے-

---

محترم یوسف علی ضیاء خان جی نمائندہ بزم طلوع اسلام ٹورنٹو' کینیڈا اور رکن بزم طلوع اسلام کراچی صدر کی بیٹی شمیم محمود 31 مارچ 1999ء کو انتقال کر گئیں- مرحومہ قرآنی فکر کی حامل تھی- اللہ تعالیٰ نے اسے دوسروں کی اعانت کرنے کی اعلیٰ صفت سے نواز رکھا تھا- دعا ہے مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو- ادارہ مرحومہ کے لواحقین و پس ماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے-

---

چوہدری محمد صادق صاحب جو کہ بزم گوجرانوالہ کے بانیوں میں سے تھے اور علامہ پرویز صاحب کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے- ماہ فروری 1999ء کے دوسرے ہفتہ میں وفات پا گئے- حق تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں مقام بلند عطا فرمائے- ادارہ مرحوم کے اعزہ و لواحقین کے غم میں برابر کا شریک ہے-

---

بزم طلوع اسلام راولپنڈی کے رکن ملک محمد صادق بھی داغ مفارقت دے گئے- مرحوم بزم راولپنڈی کے موسسین میں سے تھے- انہوں نے دن رات ایک کر کے قرآنی پیغام کو خطہ پوٹھوہار میں عام کیا- اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر سید عبدالودود

جواب آں غزل

ماہنامہ طلوع اسلام اپریل 1999ء میں میرے ماہنامہ صوت الحق میں شائع ہونے والے مضمون پر' محترم صابر صدیقی صاحب کا تبصرہ شائع ہوا ہے۔

محترم صابر صدیقی صاحب سے میرا تعارف نہیں ہے۔ بہرحال ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے نصیحت فرمانے کی زحمت گوارا کی۔ ان کی خدمت میں میری گذارشات حسب ذیل ہیں۔ (1) میرا مضمون "اقبال اور تصوف" ماہنامہ صوت الحق جنوری 1999ء میں شائع ہوا تھا۔ مناسب یہ تھا کہ میرے مضمون پر تبصرہ اسی پرچے میں شائع ہوتا۔ قارئین ماہنامہ طلوع اسلام میرے اس مضمون کے الفاظ سے آگاہ نہیں۔ اس لئے آپ کی تحریر یک طرفہ کارروائی سمجھی جائیگی۔ (2) میرے مضمون کا وہ حصہ جو آپ کی مطلب براری کے لئے استعمال ہو سکتا تھا اسے آپ نے اجاگر کیا اور جو الفاظ آپ کے موقف کے خلاف تھے ان کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ میرے مضمون کے آخری الفاظ یہ تھے کہ جو کچھ میں نے اس مضمون میں لکھا ہے وہ ساری کی ساری عبارت میری کتاب Conspiracies against the Quran میں درج ہے اور اس کا عنوان "تصوف اور اقبال" ہی ہے۔ میں نے جو کچھ اپنی کتاب میں لکھا تھا وہ استاذ محترم پرویز مرحوم کے لیکچروں سے اخذ کیا تھا۔ آپ کی زندگی میں میری جو کتابیں شائع ہوئیں ان کی پرنٹنگ سے پہلے وہ ہر کتاب کا ایک ایک لفظ چیک کرتے تھے۔ پھر میں نے صوت الحق فروری 99ء میں یہ بھی لکھا تھا کہ جس وقت میری مندرجہ بالا کتاب شائع ہوئی تھی تو بعض اصحاب کے کان کھڑے ہو گئے تھے اور انہوں نے پرویز مرحوم سے شکایت کی تھی کہ ڈاکٹر عبدالودود یہ کچھ لکھ رہے ہیں۔ اس پر پرویز مرحوم نے فرمایا تھا کہ وہ ٹھیک کر رہے ہیں۔ محترم پرویز مرحوم نے میری اس کتاب کی اشاعت پر جو تبصرہ فرمایا تھا وہ دو صفحات پر مشتمل ہے لیکن میں اس کا وہی حصہ اس وقت پیش کر رہا ہوں جو حسب حال ہے آپ نے پہلے میری کتاب کے دیگر مضامین کا ذکر کیا اور آخر میں لکھا کہ

"سب سے زیادہ کامیاب سازش کا تفصیلی تذکرہ آگیا ہے جس نے دین کی اصل و اساس تک کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ یعنی تصوف۔ اس میں تصوف کے بنیادی نظریات۔ اس کے معتقدات و مسالک۔ اس کی شاعری اور ادب اور ان کے مجموعی نتائج و عواقب سے بحث کی گئی ہے۔ اس بحث میں ضمناً" علامہ اقبالؒ کے تصوف سے متعلق نظریات پر بھی تنقید کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ہم سردست اتنا عرض کرنے پر اکتفا کریں گے کہ علامہ نے قرآن کریم کی جس قدر خدمت کی ہے اس کے احساس سے سرتشکر جھکانے کے باوجود' ہم یہ کہنے میں قطعاً" باک نہیں سمجھتے کہ وہ بہرحال ایک انسان تھے اس لئے ان کے کلام میں اگر کسی کو کچھ خلاف قرآن نظر آجائے تو اس پر تنقید کرنے کا اسے پورا پورا حق حاصل ہے۔ تصوف کے باب میں ان کے ہاں ایسی چیزیں ملتی ہیں جو قرآن مجید کی روشنی میں محل نظر ہیں اور ڈاکٹر صاحب نے انہی کو ہدف تنقید قرار دیا ہے۔"

پھر اس تبصرہ میں چند سطروں کے بعد فرمایا۔

"ڈاکٹر صاحب نے اپنی فطری کشادہ ظرفی کی بنا پر' اس کتاب

ہیں بھی اس حقیقت کا واضح الفاظ میں اظہار فرمایا ہے کہ ان کا یہ تحقیقی خرمن' پرویز صاحب کے فکری خوشوں کا رہین منت ہے۔ اس انداز کا اعتراف و اظہار بڑے بلند کردار کا متقاضی ہوتا ہے جو اس زمانے میں جنس نایاب ہوتا جا رہا ہے۔"

(ماہنامہ طلوع اسلام' اپریل 1977ء)

درحقیقت محترم صدیقی صاحب نے جو دو قسم کے تصوف بیان کئے ہیں ایک عام قسم کا تصوف ہے اور ایک خاص قسم کا جو کہ علامہ اقبال کا تصوف ہے۔ پرویز مرحوم کے نزدیک یہ ایک فرضی بات ہے۔ تصوف بالآخر تصوف ہی ہے چاہے اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے۔

(3) میں نے علامہ اقبال کو Be-little کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میرے یہ الفاظ کہ "علامہ اقبال بیشک اونچے درجے کے انسان تھے اور انہوں نے قرآن کی تعلیم کو منفرد انداز میں پیش کیا" آپ کے ریکارڈ پر ہیں۔ لیکن میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ ان کو خدا اور رسول کا درجہ حاصل تھا اور ان سے کوئی خطا سرزد نہیں ہو سکتی تھی۔

(4) محترم صدیقی صاحب! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے شاعری کے متعلق اپنا نظریہ تبدیل کرنے کے لئے فرمایا ہے۔ افسوس کہ یہ میرے لئے مشکل بات ہے۔ کیونکہ شاعری کے متعلق میرا اپنا نکتہ نظر ہے جو کہ حسب ذیل ہے۔ میرے نزدیک۔

شاعر بے عمل ہوتا ہے: شاعر جہاں کہیں بھی پیدا ہوا ہے بے علم و عمل پیدا ہوا ہے۔ وہ بے علم اس لئے ہے کہ علم شاعری کے لباس کو قطعاً" قبول نہیں کرتا۔ جو شے فی الحقیقت علم ہے وہ شعر قطعاً" نہیں' گو اسکی عبارت موزوں ہی کیوں نہ ہو گئی ہو اور جو فی الحقیقت شعر ہے اس کے اندر علم کا ہونا از بس محال ہے۔ شاعر بے عمل اس لئے ہے کہ اس دنیا میں عمل' علم اور صرف علم سے پیدا ہوتا ہے اور شعر ہر وقت اور بہر نوع عمل کا قطعی مخالف رہا ہے۔ شاعر قوم کے انحطاط کی زندہ تفسیر ہے اور اس کی واماندگیوں کا ایک وقتی اور مقامی مجسمہ ہے' اس کے انحطاط کا ترجمان ہے' اس کی آہوں اور کراہوں کا مضراب ساز ہے' اس کی بے ہوشیوں اور غفلتوں کا جہاں نما جام ہے۔ اس کی لاطائل حسرتوں کا سچا مورخ ہے۔ اس کی سعی لا حاصل کا صحیح مخبر ہے۔ اس کی شہوات اور لذات کا طبل پرہنگام ہے۔ اس کی خود نمائیوں کا عکس اور اس کی سلب شدہ عظمت کا سچا نوحہ گر ہے۔

وہ اپنے زمانے کے رنگ میں رنگا ہوتا ہے جس ڈھنگ میں عوام ہوں اس کو فوراً قبول کر لیتا ہے۔ جو آہ' جو ارمان' جو چیخ' جو قہقہہ' جس کارفرمائی اور جس ناکارہ پن میں قوم گرفتار ہو اسی کو اختیار کر لیتا ہے اور اسی کو ماحول کی رونق بڑھانے کے لئے اپنے ارغنون کی تاریں کس لیتا ہے۔ وہ جس رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اکثر بے عمل ہوتا ہے' بے اثر ہوتا ہے' ناکارفرما اور ناکارکن ہوتا ہے۔ جذبات کے اظہار میں بے عمل' کارفرمائی میں بے عمل' چارہ گری میں بے عمل' منطق اور دلیل میں بے عمل' نوحہ گری اور قہقہہ خیزی میں بے عمل ہوتا ہے۔ آپ روتا نہیں لیکن اوروں کو بے محابا رلا دیتا ہے۔ روتا ہے مگر دل میں ہنستا ہے مگر دل کے اندر متانت اور روکھا پن موجود ہوتا ہے۔ دوسری طرف۔۔

عالم باعمل ہوتا ہے: عالم باعمل یا نبی برخلاف اس کے جب ظاہر ہوا ہے اپنے زمانے کی سمت' تخیل اور رو کے خلاف ظاہر ہوا ہے۔ وہ اپنے ساتھ علم اور خبر لاتا ہے۔ قوم کی بیماریوں کی اٹل اور حکمی دوا لاتا ہے قانون خدا کو پیش کرتا ہے' امت کو آسمان تک اٹھا دینے کا بیرم لاتا ہے۔ پوری قوم سے دشمنی مول لینے کا سامان لاتا ہے۔ غلط تخیل اور غفلت کی عظیم الشان عمارت کو ڈھا دینے کا کدال لاتا ہے۔ مخالفت سے بے پرواہی اور قوم کی بہتری کا سچا درد اس میں ہر وقت موجود ہے۔ وہ اکثر کسی ضخیم یا دلچسپ تصنیف کا مصنف نہیں ہوتا۔ کسی بڑے محرر یا مقرر بننے کا شوق نہیں رکھتا۔ لسانی اور چرب زبانی سے بہر نوع متنفر' کلام میں مختصر' تحریر میں مجمل بلکہ بسا اوقات بلیغ اور معلق تقریر میں سادہ اور کم گو اور خیالات کے اظہار میں

شعر و فصاحت کے اعتبار سے پریشاں اور بے ربط نظر آتا ہے۔ علم کا تبحر، عمل کا اضطراب اور حقائق کا ہجوم اس کو اس امر کی فرصت نہیں لینے دیتا کہ وہ اپنی تحریر و تقریر کے اندر شاعرانہ دل آویزی یا دل فریب موزونیت پیدا کرے وہ جو کہتا ہے کر دیتا ہے اور کئے جاتا ہے اور اس کئے جانے کے اندر اس کے کہے کے اثر کا راز مضمر ہے۔

عالم کے عمل کا عوام پر اثر: لوگ ان کی شبانہ روز تکلیف کو دیکھ کر آپ تکلیف اٹھانے کے لئے مستعد ہو جاتے ہیں اور چونکہ وہ خود مزدور بے مزد **"مااسئلکم علیه من اجر"** (26:109)- کی شان رکھتا ہے۔ کسی دنیاوی حاکم کا محکوم نہیں ہے بلکہ اپنے بے مزد عمل سے کسی غائب وجود اور منعم بے حساب کے ملازم ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ شاعر کی واہ واہ کے بالمقابل کڑیاں جھیلتا جاتا ہے۔ اسی لئے لوگ پروانہ وار سب طرف سے اکٹھے ہو کر اس شمع سوز و گداز پر اپنی جانیں قربان کر دیتے ہیں۔ شاعر اور نبی میں فرق صرف نوع اور جنس کا فرق ہی نہیں۔ فرش اور عرش کا فرق ہے۔ وہاں تحسین اور آفرین کی لذت حرکت دے رہی ہے۔ یہاں تکلیف اور مخالفت سے عشق ہے، وہاں آرام یابی کا شیوہ زناں ترنم پیدا کر رہا ہے، یہاں کڑیاں جھیلنے کی مردانگی سرچڑھ کر بول رہی ہے، وہاں قول ہی قول یہاں عمل ہی عمل۔

یہ بھی یاد رکھئے کہ ایک ایسی قوم میں شعر و شاعری کے ڈھول کا پول کھولنا جہاں قوم کے اکثر افراد کو افیون کی طرح شاعری کی لت پڑ چکی ہو بڑے ہی دل گردے کا کام ہے۔

شعر کا پیدا کیا ہوا نسیان اور رس ہر فرد کی رگ رگ میں حلاوت؟ اور تساہل بھر دیتا ہے۔ سب قوم اصلاً بے عمل ہو جاتی ہے۔ سب اقوال بے اثر اور بے نتیجہ ہو جاتے ہیں۔

اب آیئے علامہ اقبال کی شاعری کی طرف۔ بے شک آپ نے قرآن کی تعلیم کو بڑی حد تک شعروں میں ڈھالا ہے۔ لیکن پاکستان کے کروڑوں عوام کے اندر کتنے لوگ ہیں جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ یا اسے عملی شکل دینے کے لئے تیار ہیں؟ علامہ کا سب سے بڑا معرکہ پاکستان کا وجود ہے جو سراسر قائداعظم کی بے مثل قیادت کا نتیجہ ہے۔ پھر یہ بھی دیکھئے کہ علامہ اقبال کی تعلیم کا قوم پر کیا اثر ہوا؟ پاکستانی قوم آج دنیا کی ذلیل ترین قوموں میں شمار ہوتی ہے۔ نبیؐ کی آٹھ دس برس کی کوشش سے قوم آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گئی۔ شاعر کی شاعری سے قوم قعرِ مذلت میں جا گری۔ کیوں؟ اس لئے کہ نبیؐ نے قوم کے غربا اور نچلے طبقے یعنی پسماندہ طبقے کے اندر گھس کر اسے آفاقی اصولوں کی تعلیم دی لیکن پاکستان میں قوم کے نچلے طبقے کے قریب کوئی نہ آیا۔ اور آج چند لوگ ایئرکنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر بزم آرائیوں سے لطف اٹھا رہے ہیں۔ حالانکہ اقبال خود کہہ گئے ہیں۔

میارا بزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش آویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

کتنی خوبصورت شاعری ہے لیکن نتیجہ اس کے برعکس۔

ہمارے طلوع اسلامی بھائی بھی اگر بزمیں آراستہ کرنے کی بجائے قوم کے پسماندہ طبقے کے گھروں اور جھونپڑیوں میں جا کر انہیں پرویز مرحوم کی بے مثل تعلیم سے آگاہ کریں تو ایک قلیل مدت میں اس کے اثرات سامنے آسکتے ہیں۔ ان کو بتایا جائے کہ قرآن کی تعلیم پر عمل کرنے سے تمہارے دکھ درد یکسر ختم ہو سکتے ہیں۔

تمہاری پگڑی شیاطین کے گروہوں میں گھس کر نہیں بن سکتی۔ ان کو سمجھایا جائے کہ قرآن کا صرف ایک لفظ ان کی کایا پلٹ سکتا ہے اور وہ ہے **"قل العفو"** "قل العفو" کے بابرکت نظام سے چوروں اور لٹیروں سے نجات حاصل کیجئے۔

(5) میرے بھائی صابر صدیقی صاحب کو یہ بھی اعتراض ہے کہ میں فارسی نہیں جانتا۔ اس سے مجھے اس بڑھیا کا قصہ یاد آگیا جس نے اپنے بچے کو فارسی سکول میں تعلیم دلوائی تھی۔ بچہ بیمار ہو گیا۔ بیماری شدت اختیار کر گئی پیاس لگ رہی تھی

در وہ آپ آپ کرتا مر گیا۔ جس کے بعد بڑھیا نے شدید جذبات کے تحت پکارنا شروع کر دیا۔ ؎

آپ آپ کر مویوں بچہ ایتھاں فارسیوں گھر گالے
جے توں میٹھوں پانی منگدا تینوں بھر بھر دیندی پیالے

نہیں بھائی صدیقی صاحب ! مجھے فارسی پڑھ کر کسی مجلس اقبال میں شامل ہونا پسند نہیں۔ میرے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس میں اور بہت کچھ موجود ہے جس کا علم اقبال کو بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں اقبال کے شعر سمجھنے کی حس سے محروم ہوں یہ درست ہے لیکن میں مطمئن ہوں کہ میں شاعری کی خرافات میں وقت ضائع نہیں کر رہا۔

(6) صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ اقبال نے قوم کو **لا الہ الا اللّٰہ** کا نعرہ دیا جس کی آواز ہندوستان کے گلی کوچے میں گونجی۔ لیکن نعرہ بازی تو ایک پرانا مشغلہ ہے جو مدت سے دیکھنے میں آرہا ہے۔ کاش کہ لوگوں کو **لا الہ الا اللّٰہ** کا مطلب بھی بتا دیا جاتا؟ انہیں سمجھا دیا جاتا کہ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں کسی اور کی Subservience جائز نہیں۔ Subservience صرف اللہ کے قانون کی ہو گی جو اس کی کتاب میں موجود ہے۔ **لا الہ غیرک** کے الفاظ تو دن میں بیسیوں مرتبہ نماز کے اندر بھی پکارے جاتے ہیں لیکن بغیر سوچے سمجھے۔ چنانچہ لا الہ الا اللہ کا نعرہ صرف نعرہ ہی رہا۔ کوئی نتیجہ پیدا نہ کر سکا اور قوم اپنے گناہوں کے سمندر میں غرق ہوتی چلی گئی۔

(7) پھر صدیقی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ کی کتاب سمجھانے کا انداز پرویز نے اقبال سے سیکھا۔ لیکن پرویز مرحوم نے زبانی گپ شپ نہیں لگائی بلکہ وہ کئی کتابوں کو معرض وجود میں لائے جن کے ذریعے ہر طالب علم گھر بیٹھے قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔ پرویز نے لوگوں کو فارسی سیکھ کر قرآن سمجھنے سے بے نیاز کر دیا۔

(8) صدیقی صاحب نے میری توجہ کسی ڈاکٹر چوپڑہ کی کتابوں کی طرف دلائی ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر چوپڑہ نے Endocrinology میں کیا اضافہ کیا ہے۔ Endocrinology کا موضوع میری کتاب Phenomena and the Quran میں بھی موجود ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس میں مزید کیا اضافہ ڈاکٹر چوپڑہ نے کیا ہے۔ صدیقی صاحب خود تو Endocrinology کے Spelling بھی نہیں جانتے اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ میں اس موضوع کو سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ میں نے میڈیکل ڈگری آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے حاصل کی تھی۔ صدیقی صاحب پہلے واضح الفاظ میں بیان کریں کہ وہ خود Endocrine Organs کے متعلق کیا جانتے ہیں اور ڈاکٹر چوپڑہ سے انہوں نے کیا کچھ حاصل کیا؟ پھر اگر واقعی کوئی ایسی معنی خیز بات سامنے آئی جو میں نہیں جانتا تو میں اسے تسلیم کرونگا۔ اور اگر صدیقی صاحب ایسا نہ کر سکے تو میں سمجھونگا وہ محض گپ بازی کر رہے اور ایسی چیز کا ذکر کر رہے ہیں جس کے متعلق انہیں خود بھی کچھ معلوم نہیں۔ چوپڑہ کی Heart Plantation کے متعلق جو سائنٹفک تفصیل انہیں معلوم ہے وہ پیش کریں ورنہ میں سمجھونگا کہ یہ بھی شاعری کی خرافات کی طرز کا ایک مفروضہ ہے۔ مثال کے طور پر ایک شاعر کہتا ہے۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی
دونوں کو اک ادا میں رضا مند کر گئی

یہاں تک تو سمجھ میں آتا ہے کہ معشوق کی نگاہ کا اثر Indirectly یعنی دماغ کے ذریعے دل پر ہو سکتا ہے۔ لیکن نگاہ کے جگر تک اترنے کے کیا معنی؟ کس راستے سے اتری اور کیا کر گئی؟ ہاضمہ درست کر گئی یا خراب کر گئی؟ اس قسم کی بے شمار خرافات شاعری میں ملتی ہیں۔

(9) پھر صدیقی صاحب مزید ایسی باتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے متعلق انہیں خود علم نہیں کہ ان کی نوعیت کیا ہے۔ Bodes Law پر تبصرہ کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ اگر ان کے کہنے کے مطابق ماہر فلکیات اس سے منکر ہیں تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ ارب ہا ارب نجوم جو ہر وقت لاکھوں میل فی سیکنڈ کے

حساب سے اپنے مداروں میں گھوم رہے ہیں اور آپس میں ٹکراتے نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے؟ پھر صدیقی صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ Bodes Law کا تعلق صرف نظام شمسی سے ہے پوری کائنات سے نہیں۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ اس تفریق کی بنیاد کیا ہے۔ تفصیل کے ساتھ واضح کریں۔ ورنہ ان کی یہ تحریر گپ بازی تصور ہو گی' سائنس شاعری نہیں کہ جو خرافات ذہن میں آئے اسے بیان کرتے جاؤ۔

پھر صدیقی صاحب کو اس بات پر بھی اعتراض ہے کہ میں نے اپنی کتابوں میں بادلوں اور بجلی کا ذکر کیوں کیا ہے؟ وہ سمجھ نہیں سکے کہ میں ان چیزوں کا ذکر اس انداز میں نہیں کر رہا جس انداز میں "روزناموں" میں موسمیات کا ذکر ہوتا ہے۔ میں صرف ان Physical Laws کا ذکر کرتا ہوں جو خالق کائنات نے عالم امر میں وضع کئے اور جن کی بنا پر یہ بادل بنتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے۔ میں نے Steady بارش جسے قرآن ودق کہتا ہے اور برفانی اور طوفانی بارش جسے قرآن "**ینزل من السماء من جبال فیھا من برد**" (24:43)- کہتا ہے ان دونوں بارشوں میں فرق کیا ہے۔ ان دونوں بارشوں کو ہمارے مفسرین نے گڈمڈ کر دیا ہے۔ ہمارے مفسرین یہ بھی سمجھ نہیں سکے کہ یہاں جو "جبال" کا لفظ آیا ہے اس کے کیا معنی ہیں؟ لیکن میں نے Cumulonimbus بادل کی تصویر بھی شائع کر دی ہے۔ تاکہ واضح ہو جائے کہ "**ینزل من السماء من جبال**" سے مراد کیا ہے۔ مودودی مرحوم نے خود بیان کیا' کہ وہ اس آیت میں لفظ "جبل" کو سمجھ نہیں سکے۔ دیگر مفسرین کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی اللہ کے ان قوانین کو سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ میں ایسی بے شمار مثالیں پیش کر سکتا ہوں جن کا ذکر قرآن میں ہے اور جن کی وضاحت ہمارے مفسرین نہیں کر سکے۔ میں چونکہ فارسی دان نہیں اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ قرآن نے جو مظاہر فطرت بیان کئے ہیں ان کے متعلق اقبال نے کیا وضاحت کی ہے۔ اگر صدیقی صاحب انہیں واضح کر سکیں تو میں ان کی لسٹ پیش کر دوں گا۔ ان ہواؤں کا ذکر جن سے بادل بنتے ہیں آیت (35:9)- میں موجود ہے اور میں نے واضح کیا ہے کہ "تثیر سحابا" اور "سقنہ" کا مفہوم کیا ہے۔ پانی سے بادل کیسے بنتے ہیں اس کا ذکر آیت (30:48)- میں بھی موجود ہے۔

(10) **تخلیق کائنات** : یہ جن قوانین کی بنا پر ہوئی قرآن ان کو سمجھنے کے لئے بے حد زور دیتا ہے۔ کائنات اللہ کی تخلیق ہے جو ارب ہا ارب سالوں سے ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی نت نئے انداز میں ظہور پذیر ہوتی گئی۔ انسان کی تخلیق کائنات کی تخلیق کا ادنیٰ حصہ ہے۔ چنانچہ کہا گیا ءَ **أَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ ۚ بَنَاهَا** (79:27)- "کیا تمہاری تخلیق مشکل ہے یا آسمان کی جسے ہم نے بنایا ہے"۔

سچائی کے موجودہ ملائی اور صوفیانہ تخیل کو چھوڑ کر (خدا اور قرآن کے ذکر کے علاوہ) کتاب اللہ میں صرف ایک چیز ہے جس کو بار بار اور نہایت تاکید کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی بنائی ہوئی فطرت "برحق" ہے۔ ایک دو نہیں بلکہ کم از کم ایسی 12 آیات ہیں جن میں کائنات کو "برحق" کہا گیا ہے۔ پھر دیگر آیات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ کائنات کھیل کود نہیں۔

قرآن Perceptual Knowledge پر زور دیتا ہے اور کائنات پر غور و خوض کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔ **وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ.... أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ** (7:179)- ہم نے جن اور انس کی اکثر مخلوق کو جہنم کے لئے وقف کر دیا ہے کیونکہ ان کے پاس ذہن ہیں لیکن سمجھتے نہیں۔ آنکھیں ہیں لیکن دیکھتے نہیں۔ کان ہیں لیکن سنتے نہیں۔ یہ لوگ حیوانوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ۔ یہی لوگ ہیں جو غافل ہیں" بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ غافل کی اصطلاح کافر' مشرک اور فاسق کی قرآنی اصطلاحوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔

کاش کہ یوسف سلیم چشتی کائنات پر غور و خوض کرتے تو ان کو اللہ کی ہستی کا ثبوت مل جاتا اور اسے تصوف کی دنیا میں تلاش کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ صحیفہ فطرت پر غور و

خوض کے بغیر ایمان کی پختگی مشکل چیز ہے۔ قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے کائنات کی طرف جو اشارے کئے تھے تحقیق کے بعد اب ان کی حقیقت کھل کر سامنے آرہی ہے۔ لیکن تصوف کی دنیا میں ڈوبے ہوئے انسان اس سے غافل ہیں۔

مجھے معلوم نہیں کہ مظاہر فطرت کے متعلق جو آیات قرآن کریم میں موجود ہیں علامہ اقبال نے ان کے متعلق کیا وضاحت فرمائی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ دیگر مفسرین قرآن کے اس حصے کو سمجھ نہیں سکے۔ ان آیات کے متعلق ان کی بھول بھلیاں اس قدر ہیں کہ ان پر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ علامہ اقبال کا کلام چونکہ فارسی زبان میں ہے اور میں اس زبان سے ناآشنا ہوں۔ اس لئے صدیقی صاحب سے گذارش ہے کہ اگر میں کائنات کے متعلق قرآنی آیات کو بتدریج پیش کرتا جاؤں تو کیا وہ ان کی تشریح علامہ اقبال کے کلام کی رو سے کر سکیں گے؟ اگر ایسا کر سکیں تو میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

تاریخی یادداشتیں

سوال یہ ہے کہ قرآن کا دین موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟ غیر قرآنی نظریات، تصورات، معتقدات کہاں کہاں اور کن کن راستوں سے در آئے؟ دانشور حضرات اس موضوع پر روشنی ڈال سکیں تو راقم ممنون ہو گا۔

ملتمس : ایم-آر راجہ (کینیڈا) معرفت ادارہ طلوع اسلام، 25 بی گلبرگ 2، لاہور

امن و امان

امن ہو گا تو کوئی امان کا بھی سوچ سکتا ہے لیکن جہاں سرے سے امن ہی مفقود ہوں وہاں امان چہ معنی دارد۔ ایک اخباری اطلاع کے مطابق مبینہ ظلم و استبداد سے تنگ آکر ایک لڑکی نے لاہور میں واقع دستک نامی پناہ گاہ کا سہارا لیا مگر اس کی اس حرکت سے نالاں والدین نے وہاں پہنچ کر اسے خون میں نہلا دیا قتل کا یہ مقدمہ کسی عدالت میں ہو گا یا ہنوز زیر تفتیش لیکن شنید ہے کہ مذکورہ دارالامان کی منتظم مس عاصمہ جہانگیر ملزمان کی مبینہ دھمکیوں سے خوف زدہ ہو کر روپوش ہونے پر مجبور ہو گئی ہے امن و امان کی بگڑی ہوئی صورت حال اور اس پر اس قسم کی خبریں امن پسند شہریوں کے لئے نہ صرف باعث تشویش ہیں بلکہ ملک میں مزید خوف و ہراس پھیلانے کا ذریعہ بن رہی ہیں۔ حکومت کو اس صورت حال کا فوری نوٹس لینا چاہئے۔

تدوین و تحقیق
حسین قیصرانی

فہرست موضوعات آڈیو درس قرآن --از علامہ پرویز

(گذشتہ سے پیوستہ)

سورہ النساء

نمبر شمار	تاریخ	آیات	موضوعات
1	14-05-70	4/1	پیدائش آدم - پہلا آدمی کیسے پیدا ہو گیا ؟
2	21-06-70	4/2-3	بچوں کی پرورش - تعدد ازدواج - دوسری شادی کب اور کیوں کر ممکن ہے ؟ رسول اللہ کی ایک سے زیادہ شادیاں کیوں ؟
3	28-06-70	4/3-4	غلام اور لونڈیاں - حق مہر پر ضمنی گفتگو -
4	05-07-70	4/5-10	اگر قرآن کے معاشی نظام میں ذاتی ملکیت کا تصور نہیں ہے تو پھر وراثت ' صدقہ اور خیرات کے احکامات کا کیا جواز ہے ؟ نکاح کی عمر - حضرت عائشہؓ کی عمر شادی کے وقت -
5	12-07-70	4/11-14	وراثت کے احکامات - ترکے کی تقسیم - یتیم پوتے کی وراثت -
6	19-07-70	4/15-18	عصمت کی حفاظت - جنسیات کا تمدن پر اثر - شریف زادیوں سے چھیڑ چھاڑ -
7	26-07-70	4/19-21	مختلف تہذیبوں میں عورت کا مقام - شادی ' طلاق اور لو میرج -
8	02-08-70	4/22-24	عائلی قوانین - وہ رشتے کہ جن سے نکاح حرام ہے - اس حرمت کی حکمت -
9	16-08-70	4/25-28	لونڈیوں سے نکاح - انسان اور اس کے جذبات -
10	23-08-70	4/29-33	جائز اور ناجائز تجارت کا فرق - کاروباری حربے - عورتوں کے حقوق ملکیت - عقدی رشتہ کا ترکہ
11	30-08-70	4/34	عورت کا مقام - کیا مرد عورتوں پر حاکم ہیں ؟
12	06-09-70	4/35-42	طلاق - توحید سے مراد - احسان کا مطلب - والدین کے حقوق - ہمسایہ سے مفہوم - قرآن کا معاشی نظام کیسے شروع ہو ؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلیم اختر گورمانی

روئیداد 23 مارچ 1999ء

23 مارچ 1940ء کے تاریخی اجلاس کی روئیداد مرتب کرتے وقت علامہ غلام احمد پرویزؒ نے اپریل 1940ء کے شمارہ میں لکھا تھا کہ
"طلوع اسلام کا ذکر آگیا تو اس سٹال کا ذکر بھی ضروری سمجھا گیا جو حسب اعلان لیگ کے پنڈال سے باہر نصب کیا گیا تھا۔ اس سٹال سے ہمارا مقصد پمفلٹس کی اشاعت سے کہیں زیادہ کرمفرمایان طلوع اسلام سے ذاتی طور پر متعارف ہونا تھا اور شکر ایزدی کہ اس باب میں ہم فائز المرام واپس لوٹے"

وابستگان تحریک طلوع اسلام کے دلوں میں یہ خواہش ایک عرصہ سے موجزن تھی کہ وہ دن کب آئیگا جب لاہور کے شاہی قلعے اور بادشاہی مسجد کے قرب میں واقع وسیع و عریض میدان میں مینار پاکستان کے سائے تلے 1940ء کی یاد منانے کے لئے ہم کھلے عام جمع ہونگے۔ ہندوستان کے وزیراعظم شری اٹل بہاری واجپائی نے مینار پاکستان کی سرکاری یاترا کر کے پاکستان کے وجود پر مہر تصدیق ثبت کی تو ہماری یہ خواہش اور بھی بھڑک اٹھی اور ہم نے فیصلہ کر لیا کہ 59 سال بعد ہی سہی' 23 مارچ 1940ء کو علامہ غلام احمد پرویزؒ کی قیادت میں نصب کئے جانے والے سٹال کی یاد اس سال ہم ضرور منائیں گے۔ قرارداد پاکستان کے حوالہ سے منٹو پارک میں منعقد ہونے والا جشن ایک قومی تیوہار کا روپ دھار چکا ہے' جہاں عوام اظہار عقیدت اور سیاستدان اپنی اپنی قوت کے مظاہرے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اجتماعات منعقد کرتے ہیں۔ ہمارا خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ہمیں سٹال لگانے کی اجازت نہ مل سکے لیکن یہ دیکھ کر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ محکمہ باغات اور شجر کاری کے سربراہ جناب کامران لاشاری صاحب نے نہ صرف ہمیں اجازت دی بلکہ ان کے پورے عملے نے ہمیں وہ پروٹوکول دیا جو معماران پاکستان کا نصیبہ تھا۔ سٹال مینار پاکستان اور بادشاہی مسجد کے درمیان جی ٹی روڈ پر ایسی جگہ لگایا گیا تھا کہ اس کے کتبہ میدان میں داخل ہونے والی ہر نگاہ کو خوش آمدید کہہ سکیں۔ سٹال پر طلوع اسلام کے مقصد و مسلک اور نظریہ پاکستان کے بڑے بینروں کے جلو میں قائداعظم حضرت محمد علی جناح کی خدمت میں پیش کیا جانے والا وہ سپاسنامہ بھی آویزاں تھا جو مارچ 1940ء کے طلوع اسلام میں شائع ہوا تھا۔ شامیانے کے اندر نمائش کے لئے ایک طرف ٹرسٹ کی شائع کردہ کتابیں تھیں تو دوسری طرف مختلف موضوعات پر وہ پمفلٹ عوام کو دعوت نظارہ دے رہے تھے جو ادارہ نے خاص طور پر اس موقعہ کی مناسبت سے شائع کئے تھے۔ پمفلٹس کی مقبولیت اور عوام میں ان کی دلچسپی کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگ سکتا ہے کہ ایک دن کے اس اجتماع میں چار ہزار سے زیادہ پمفلٹ لوگوں تک پہنچے اور ایک بہت بڑی تعداد نے بالمشافہ گفتگو کر کے تحریک کا تعارف حاصل کیا۔ اس پر بھی مستزاد کہ ساڑھے تین سو کے قریب لوگوں نے مزید معلومات اور لٹریچر حاصل کرنے کے لئے اپنے ایڈریس لکھوائے۔ چیئرمین ادارہ' ناظم ادارہ' مینجر ٹرسٹ' اور وہ نمائندگان جو دور دراز کی مسافت طے کر کے خاص طور پر اس اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے تھے سارا دن پنڈال میں کھڑے سٹال پر آنے والے لوگوں کو خوش آمدید کہتے رہے۔ ایک طرف یہ کچھ جاری تھا اور دوسری طرف ٹیلی وژن پر پرویزؒ صاحب کا خصوصی خطاب "ہم نے

پاکستان کیوں مانگا تھا؟" عوام کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ تینوں سلسلے رات گئے تک جاری رہے۔ اس دوران ایک بہت بڑا سیاسی جلوس میدان میں داخل ہوا جس میں شریک لوگ غالباً بھوکے پیٹ نعرے لگاتے ہوئے میدان میں پہنچے تھے۔ ان کی آمد سے جہاں میدان کی گہما گہمی میں اضافہ ہوا وہاں ہمارے دسترخوان کی رونق بھی بڑھ گئی۔ دوپہر کے کھانے کا انتظام بزم لاہور کے سپرد تھا۔ ان کی رپورٹ کے مطابق ہمارے اپنے مہمانوں کے علاوہ گراؤنڈ میں آنے والے پانچ سو سے زائد افراد نے ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور پمفلٹ حاصل کئے۔ پانی کے لئے آنے والوں کا ہجوم الگ تھا کیونکہ لاہور بزم کے نمائندہ ڈاکٹر محمد سعید چوہدری کی پیش بندی کے طفیل پینے کا پانی صرف ہمارے سٹال پر دستیاب تھا۔ ہرچند کہ ایک دن کا یہ اجتماع ہمارا پہلا تجربہ تھا۔ بہت ساری لغزشیں بھی ہم سے ہوئی ہونگی لیکن قائداعظمؒ، علامہ اقبالؒ، علامہ پرویزؒ اور اس تاریخی اجتماع سے جو بعد میں قیام پاکستان پر منتج ہوا، اظہار عقیدت کے علاوہ پبلک میں تحریک کے تعارف کے حوالہ سے ہی دیکھا جائے تو اس اجتماع میں شامل ہر کارکن تسلیم کریگا کہ جو کچھ ہم نے زر کثیر خرچ کر کے سال بھر میں حاصل کیا اس سے کہیں زیادہ ایک دن میں پا لیا۔ قابل صد ستائش ہیں وابستگان تحریک کے وہ کارکن جنہوں نے اس اجتماع کے متعلق سوچا اور اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے بلکہ یوں کہئے کہ کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ادارہ کی دامے، درمے، قدمے، سخنے مدد کی۔ اس اجتماع میں ادارہ، ٹرسٹ کی شرکت کا بھی ممنون ہے۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ
۲۵ سالہ تجربہ کار
کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔
۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۳۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵-۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر:- ۲۴۱۹۷۸۴
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

29. "Kingdom of God on Earth! God's messenger serving as the greatest proponent of human brotherhood, His viceroy on earth in the form of Muhammad." (Hitti. History of the Arabs)

30. "The message of Muhammad, Islam, is nothing but a blessing for mankind----The usher from darkness to light and from Satan to God." (Rev. Stephenson, My reflections)

31. "The noble founder of a nation, an empire and a religion. The unlettered one bestowed upon the world the Book which is a miracle, the eternal miracle and the true miracle." (Rev. Bosworth Smith)

32. "Muhammad brought an end to idol worship. He preached monotheism and infinite Mercy of God, human brotherhood, care of the orphan, emancipation of slaves. forbidding of wine---No religion achieved as much success as Islam did." (Sir William Muir, Life of Muhammad)

33. "Muhammad's religion reformed all existing dogmas and brought the Arabs ahead of the super powers of the time." (Dr. Marcus Dods, Muhammad, Buddha and Christ)

34. "Muhammad was the greatest Executive Officer for implementation of the Divine Will. Like other prophets he knew that time will come when all mankind will become one community." (H.N. Spalding, Civilization in East and West)

35. "He laid the foundation of a universal government. His law was one for all. Equal justice and love for everyone." (George Rivorie, Visages de L' Islam)

36. "The Arabian Prophet Muhammad is the founder of a revolution unparalleled in history. He founded a political state which will ultimately embrace the entire planet. The law of that Government would rest on justice and kindness. His teachings revolve around human equality, mutual cooperation and universal brotherhood." (Raymond Lerouge, Life de Mohamet.)

IF YOU HAVE ACCESS TO INTERNET PLEASE MAKE YOURSELF CONVENIENT TO VISIT

http://www.toluislam.com

AND

http://www.galaxydastak.com

16. "The lies which Christians have heaped round this man, are disgraceful to ourselves only." (Thomas Carlyle)

17. "A man of truth and fidelity, true in what he did, in what he spoke and thought------ this is the only sort of speech worth speaking." (Thomas Carlyle)

18. "The greatest crime, The greatest "sin" of Muhammad in the eyes of the Christian West is that he did not allow himself to be slaughtered, to be "crucified" by his enemies. He only defended himself, his family and his followers; and finally vanquished his enemies. Muhammad's success is the Christians' gall of disappointment : He did not believe in any vicarious sacrifices for the sins of others." (Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire.)

19. "The legend of fanatical Muslims sweeping through the world and forcing Islam at the point of the sword----is the most fantastically absurd myths that historians have ever repeated." (De Lacy O' Leary, Islam at the Cross Roads, London, 1923.)

20. "The sayings of Muhammad are a treasure of wisdom not only for Muslims but for all mankind". (Gandhi, Preface to the "Sayings of Muhammad" by Sohrawardi.)

21. "He was the Messenger of the One True God: and never to his life's end did he forget for a moment who he was! He was one of those happy few who have attained the supreme joy of making one great truth their very life-spring." (Stanley Lane Poole)

22. "Those who believe Islam was spread by force are fools who neither know the ways of Islam nor the ways of the world." (Balbir Singh, Navan Hindustan, 1947.)

23. "Muhammad was an enthusiast in the noblest sense" (Stanley Lane Poole)

24. "He was Caesar and Pope in one, but he was Pope without the Pope's pretensions, and Caesar without the legions of Caesar...without a bodyguard, without a palace. If any one man had the right to say that he ruled by the right divine, it was Muhammad." (Reverend B.Smith, Muhammad & Muhammadnism, London, 1874.)

25. "The Renaissance of Europe did not take place in the 15th century. Rather it began when Europe learned from the culture of the Arabs. The cradle of European awakening is not Italy. It is the Muslim Spain." (Robert Briffault, Making of Humanity.)

26. "Muhammad saved the human civilization from extinction." (J.H. Denison, Emotions as the Basis of Civilization.)

27. "The height of human achievement and glory---Muhammad." (Pringle Kennedy, Arabian Society at the Time of Muhammad.)

28. "Under his influence people became united in one bond which they knew not. The bond of true monotheism." (L.E. Browne, The Eclipse of Christianity in Islam.)

2. "Philosopher, Orator, Apostle, Legislator, Warrior, Conqueror of ideas, the Restorer of rational belief, the preacher of a religion without images, the founder of twenty terrestrial empires and of one heavenly Empire, that is Muhammad. As regards all standards (I repeat "ALL") by which human greatness may be measured, we may well ask, "Is there any man greater than he?" (Alphonse Lamartine, Historie De la Turquie, Paris, 1854.)

3. "Muhammad was the most successful of all religious personalities." (Encyclopedia Britannica, 4th & 11th editions)

4. "Muhammad was the soul of kindness, and his influence was felt and never forgotten by those around him." (Diwan Chand Sharma, The Prophets of the East, 1935).

5. "(Muhammad) the only man in history that was supremely successful on both the religious and secular levels." (Michael H. Hart, THE 100)

6. "The greatest leader of all times was Muhammad." (Jules Masserman, Professor of Chicago University.)

7. "The word of Muhammad is a voice direct from nature's own heart-----all else is wind in comparison." (Thomas Carlyle, Heroes and Hero Worship, 1840.)

8. "The more I study, the more I discover that the strength of Islam does not lie in the sword." (Gandhi, Young India.)

9. "The creed of Muhammad is free from ambiguity and the Qur'an is a glorious testimony to the unity of God". (Gibbon, Decline & Fall of the Roman Empire.)

10. "The towering personality of Muhammad has left bright and indelible imprints on all man-kind." (John William Draper, A History of the Intellectual Development of Europe, London 1875.)

11. "Absolutely unique in history, Muhammad is a 3 fold founder of a nation, of an empire and of a religion." (Reverend Bosworth Smith, Muhammad and Muhammadnism, 1946.)

12. "No man whose external conditions changed so much ever changed himself less to meet them." (R.V.C. Bodley, The Messenger, London, 1946.)

13. "The man who of all men exercised the greatest influence upon the human race---- Muhammad." (J.W. Draper M.D., L.L.D., A History of the Intellectual Development of Europe, London, 1875.)

14. "Among leaders who have made the greatest im- Muhammad before Jesus Ch- -mpact through ages, I would consider -hrist." (James Gavin, Speeches by a U.S. Army General.)

15. "In the person of the prophet of Islam we see the rarest phenomenon on earth walking in flesh and blood i.e. the union of the theorist, organizer and leader in one man." (Professor K.S. Rama Krishna Rao, Muhammad, The Prophet of Islam.)

5. Messengers: I have avoided using the term "prophet" here, since it conveys the impression of someone who makes prophecies. The role of a messenger of Allah is much more comprehensive and much more dignified. Noah, Abraham, Isaaq, Ismael, Jacob, Moses, Jesus, Muhammad (the Exalted Ones) were all holy messengers of God. They all were (and still are) role models for all humanity. They had spotless characters and embodied human perfection. They never lapsed in their prime duty to convey God's message to mankind.

Contrary to the Bible, the Qur'an declares that all messengers were men of life upright. They did not commit sins; nor did they violate Divine Values.

Noah never drank alcohol, nor did his daughters commit sin with him.

David did not fall for the beauty of his neighbor's wife.

Nor did Solomon lean toward worshiping his wives' idols.

Jacob did not deceive his old father, nor did he have a wrestling match with God.

Likewise messenger Lot's daughters did not lead their father to sin.

And Messenger Abraham did not tell any lies.

And, Jesus never rebuked his mother.

God did not repent on creating such human beings. He never gets tired to need a day of rest. No sleep or slumber overcomes Him. He is not an angry, revengeful God. He favors no peoples or nation. His Laws support those who live by them.

Let us reiterate that God sent his Guidance to all nations and all peoples through His chosen messengers. His Message finally was perfected through His last messenger, Muhammad, the Exalted. The Message has been meticulously preserved in the form of the Holy Qur'an for all places, times and people to Eternity.

The Qur'an calls Messenger Muhammad, "the best of all in conduct," "the best role model for people," and the "Mercy for the Worlds".

But today, let us hear from some great non-Muslim scholars, writers and leaders; what they have to say about this greatest and noblest of all men and women who ever walked this earth. (Many of these quotes have been translated from other languages.)

These great minds rose above bias and prejudice to embrace the most glittering truth of human history. What is that truth? That no person in the history of mankind could ever come close in greatness to the character wisdom and knowledge of the Holy Messenger. Now let us proceed with respect.

THE SAVIOR

1. "I have studied him-- The wonderful man--and in my opinion----He must be called the Savior of humanity". (George Bernard Shaw, The Genuine Islam,)

Accordingly, Sir Iqbal in his beautiful poem "A Stroll in the Heavens" says that when an angel (his tour guide) showed him a dark cold abode for hell, Iqbal looked perplexed! The tour-guide explained,

Dwellers of the earth who come here

Carry their own stock of fuel to share!

Thus, our good thoughts and actions (actions that are beneficial to the society) culminate in great reward termed "Paradise."

3. Belief in Angels means believing that they are Allah's creation. Sir Syed understood them to be "forces of nature" or physical laws of nature in the Universe. The Divine message was revealed to God's messengers through the Angels.

4. The Book: The message of God revealed to prophets through Angels is called a book. The Divine Message, that was conveyed through a chain of prophets like Noah, Abraham, Isaac, Jacob, Moses and Jesus, took its final form in the Qur'an. Therefore, Qur'an is the Final Testament, THE BOOK. It is for all times and for all nations.

Scholars from all religions agree that the Qur'an is word for word, letter for letter the same unchanged, unaltered message as revealed to and taught by Messenger Muhammad, the Exalted.

"I have studied Islam very closely. I declare from the depths of my heart and mind that the existing Qur'an is exactly the Book, letter for letter, as written in the lifetime of Muhammad (the Exalted). (Sir Williams Muir, "Life of Muhammad".)

Now, watch from another perspective. Dr. Maurice Buccaille, the renowned Christian scholar, historian, surgeon from France wrote his revolutionary book, The Bible, the Qur'an and Science in 1970's. He states that the Qur'an is replete with scientific narratives such as creation of the Universe, Evolution, the Water Cycle, Geology, Astronomy, History, Embryology, Zoology, Botany, etc. Dr. Buccaille asserts that there is not a SINGLE instance in the Qur'an that is inconsistent with established scientific knowledge! On the other hand, according to Buccaille such incongruities are encountered in the Bible on numerous occasions. For example, the Qur'an does not endorse the GEOCENTRIC theory of the Bible wherein the earth is shown to be the stationary center of the Universe. Or, that the first man (Adam) appeared on earth only about 7000-8000 years ago.

"There is no doubt in my mind that the Qur'an is THE WORD OF GOD in its truest and whole meaning". (Thomas Carlyle)

Furthermore, the Qur'an challenged the whole world 1400 years ago to make one surah (chapter) like this. Since the great Arabic poets and thinkers of that time, the challenge stands until today with all its glory.

apple will fall to the ground, a stone will sink, the day and night will follow each other, the seasons will take their turns, the living beings will feed, grow, reproduce and die.

"Universe is too organized to be the result of an accident," said Einstein.

Let us now examine the status and role of mankind.

HUMANS: Allah has granted mankind "freedom of will." So humans have a choice. "There is no compulsion in religion." 2:256.

> "Say unto people, this Qur'an is the Truth from the Sustainer of you all. Then whoever will, let him believe and whoever will, let him disbelieve." 18:29.

However, just as everything else in the Universe is working consistently with the Divine Laws, mankind must exercise this free will to synchronize and harmonize itself with the Master Plan. The Master Plan involves further development of the Universe and all creation. "There is a coherent plan in the universe, though I don't know what it is a plan for." (British astronomer Sir Fred Hoyle.)

In order to help become harmonious with the Universe, mankind needs Guidance which Allah has bestowed upon it. Albert Einstein said, "Science can say what is, it cannot say what ought to be. The code of permanent values can only come through Revelation to chosen personalities (messengers of God)." (Out of my Later Days.)

Further, A.S. Eddington stated that the acceptance of God, in effect, is not believing in His existence. It means accepting God as the source of guidance. (Science and the Unseen World.)

THE GUIDANCE: Let us see a glimpse of the Eternal Guidance.
Al-Qur'an, 2:177, denotes that we must begin with having IMAN (Conviction) in Allah, the life Hereafter, the Angels, the Book and His messengers. Commonly these are called the five articles of IMAN. The Qur'an invites us to this Conviction through reason.

1. Belief in God: Remember again, "The Universe is too organized to be the result of an accident." Einstein.

And Carl Sagan, the great American philosopher, marveled at the flawless balance and harmony in Nature. "In order to make an apple-pie from scratch, We will have to re-invent the Universe!"

2. Belief in the Hereafter entails not only afterlife, but Nature's Law of Requital as well. "As you sow, so shall you reap!" Our thoughts and actions make imprints on our personalities. We start making our hell or paradise right here in this world.

> "He who turns away from My Laws (Guidance), his will be a narrow worldly life and we will bring him blind in the life hereafter." 20:124.

WHAT, IN FACT, IS ISLAM? Dear reader, Islam is DEEN, a perfect way of individual and collective life. All else is mazhab or call it religion. Islam is not a set of rituals and rites, dogmas and myths, pomp and magic, omens, and dreams and non-scientific phenomena. Nor is it "stories of the bygones". In fact, Islam is so scientific that the great thinker Ouspensky stated that any science that collided with the Qur'an, will turn out to be false! And a man of such high caliber as Goethe professed that "the teachings of Islam would never fail. No human being and no system can go beyond the Quran." These scholars stated this because the Qur'an beautifully explains the relationship of the Creator and his creation.

THE UNIVERSE IS NOT THE RESULT OF AN ACCIDENT: According to the Qur'an the Universe is neither Brahma's dream nor "Ramji's leela" (Rama's toy). God is not a "Master Player". The Universe is also not an image or shadow of the "World of Ideas" as contemplated by Plato. It has not been created at random.

> "And We have not created the heavens and the earth and all that is between them in vain play. We have created them with the Right Plan, but most people learn not." 44:38-39.

The Qur'an further states that all things in the Universe are heading toward heir appointed destinations. Nothing is stationary. The heavenly bodies are "swimming long in their orbits." The Universe itself is marching to a designated goal. All this is aking place according to physical laws designed by the Creator.

THE CREATOR: is One, all else is creation. He is the Nourisher and Sustainer of all ankind (114:1) whether they are black or white, rich or poor, believers or non-believer. le makes no distinction between Jews and Gentiles, Hindus or Christians. Those who ccept His Guidance He calls them Muslims (meaning people who submit themselves to im to get in harmony with the Universal Plan and thus establish peace.)

Also, Allah is Omnipresent and Omnipotent. Allah is not confined to the heavens. e does not have a man-like image. He is the Light of the heavens and the earth. 24:35. e is above the human concepts of needing or having a mistress 6:106 or children 112:1- And although Allah is Omnipotent, He uses his Power with Wisdom and Knowledge.

He makes laws as He wills, in the World of Command (Al-Amr). In the World of reation (Khalq or the Universe), He brings these laws into action. The entire universe is erating according to these physical laws. When we discover some of these laws, we call em Science. Yet, all the creation that exists cannot defy these laws of nature. Senator hn Glenn said well that we can make a compass out of a magnet but we cannot invent law that the needle will point North. And so, the water will flow down-stream, the

Let me reiterate that I will present my answer with utmost sincerity and without bias as much as humanly possible. Therefore, it is expected to be read with an open mind.

I have studied history, philosophy and religion as best as I could after clearing my mind of all preconceived notions. There are two reasons why I chose Islam to dictate my way of life and for the same reasons I am not a Christian.

FIRST REASON: I fully understand that Muslims, and not Islam, are to be blamed for their dismal condition in the last many centuries. They have fallen from the high platform of DEEN into the swamp of MAZHAB. What this means is that they have confined the Qur'an to mere recitation. The glorious Qur'an, which embodies the last Word of Allah, guarantees its followers signal victory, success and achievement in this world and in the Hereafter.

> "The messenger will say, O' my Lord! This is my people who had abandoned this Qur'an making it of no account." 25:30

So the more than one billion people today who call themselves Muslims are groping in the darkness of Mazhab consisting of inherited dogmas, beliefs, customs and traditions, rituals and rites. They think only what their ancestors have taught them and see only what the so-called Ulema show them. They have become victims of blind following.

Professor A.N. Whitehead rightly points out that accepting the customary thought without criticism (blind following) is a form of idol-worship. It brings the development of the human mind to a standstill. Amazingly, the Qur'an describes idols as authan, things that do not move. When Muslims were adhering to the Qur'an they were the most dynamic force in the world to contend with! History is replete with their accomplishments in all walks of life, be it government, morals, philosophy, science, architecture, military, agriculture, medicine, surgery, physics, chemistry, optics, art, etc. In fact that era provided the most pragmatic test for the Qur'an with absolutely convincing results for humanity to behold. In fact, according to Briffault, the European Renaissance was triggered not from Italy but from the Muslim Spain.

SECOND REASON: My personal diligent research into history, philosophy, anthropology and religion convinced me that nothing but Islam explains:

1. A sensible relation between man and the Universe
2. The purpose of life
3. A workable political, social, moral and economic system for all mankind and
4. It provides a clear direction to solve individual and collective problems of humanity.

I feel these two reasons need further elaboration.

"(O' Muhammad) tell them that this is my way which is very clear and straight. My call is based on firm conviction and reason as well as that of my followers." 12:100

Unfortunately, today almost all the one billion plus Muslims in the world Muslims by birth and by blind following, the kind of Islam which the Qur'an co of no merit.

MUSLIM SOCIETY: Let's assess the situation from one more viewpoint. great Egyptian scholar Mufti Muhammad Abduh visited Paris a hundred years Upon his return to Egypt he startled the world by declaring, "In Europe I saw Muslims, --I saw Islam! In Egypt I see Muslims, I see no Islam!"

Dear reader, although there are non-Islamic practices in the West, I can hear the echo of that declaration today. The so-called billion plus people today are Musl without Islam! Their political, economic and social conditions paint a complete picture of misery and chaos wherever they live. Apparently the tree bearing such bad fruit should be blameworthy. Isn't a tree known by the fruit it bears?

THEN, WHY AM I NOT A CHRISTIAN? I will answer this question a bit later. For the moment, let us glance at the people or nations that call themselves Christians. Where are they standing? Objectively speaking, one cannot help but marvel at their scientific and material achievements.

Ponder that when God commanded the angels (according to Sir Syed "the forces of Nature") to prostrate before Adam, they did. This means that Allah made forces of nature subservient to mankind. In other words man has been endowed with the capacity to understand and master the physical laws operative in Nature. This is called the "status of Adam" or "the pedestal of humanity." The West has attained this coveted status. Muslims, not yet attaining it, are scrambling through life at subhuman levels.

"Risen you have not to the human level, how can you find God (and the purpose of the Universe)?" Sir Iqbal.

The status of the true believer-MU'MIN-, however, is even more glorious i.e. harnessing the forces of Nature through mastering physical laws and then using these forces for the benefit of all mankind as Allah commands.

Thus, the West has attained the status of Adam; the Muslims have not. The question is that after knowing this, WHY AM I NOT A CHRISTIAN? Please read the answer very closely.

"Malika" in Arabic which means forces and laws of Nature. The writer has rightly quoted Sir Syed Ahmad Khan, who indicated the same. "Angel" is a Biblical term and hence has a different connotation (Editor)

"Allah has promised such of you as believe and do good works (beneficial to the society) that He will surely make them rulers in the earth." 24:55.

Now, think about the plight of Muslims worldwide. Are they truly prevailing anywhere? Aren't they subjugated slaves of foreign powers, even in their own countries? Thus, either the Muslims are not true believers or the Qur'an is wrong by declaring that the believers will prevail. Conclusion: Sir Syed's claim, that today's Muslims are not actually believers, is right and in accordance with the Qur'an!

Allama Inayatullah Mashriqi depicted the state of the East in general, and that of Muslims in particular, in this way,

"People ask me that I traveled the East for years. What have I seen? How shall I tell what I have seen! From this end to that end I saw towns in ruins, broken and shaken bridges, dirt clogged canals, dusty streets, abandoned highways. I saw wrinkled faces, undernourished bodies, stooping backs, empty brains, insensitive hearts, inverted logic, aberrant reason. I saw oppression, slavery, poverty, pomp and vanity, detestable vices, clusters of disease, burnt forests, cold ovens, barren tilths, dirty attire and useless hands and feet. I saw imams (religious leaders) without followings. I saw brothers who were foes to one another. I saw days without purpose and I saw nights which lead to no dawns."

Subjugation to kings, despots, tyrants, slavery to the mystic and the mullah, submission to blind following of dogmas and beliefs, fear, illiteracy, lootings & killings, ethnic and sectarian hatred, webs of superstition-------- what is all this? Rule of slavery. Slavery of mind and body. The aforementioned verses of the Qur'an and the abject status of Muslims proves one thing: The "more than one billion Muslims" today are Muslims only by name or claim.

SECTARIANISM: Let's view the situation from another angle. The tree of sectarianism among Muslims has grown to such heights and fatwas (verdicts) of infidelity have become so popular that there exists not a single Muslim in the world who would be unanimously accepted as a Muslim by the Ulema (scholars or mullahs) of ALL the existing sects!

MUSLIMS BY BIRTH: Some might say, "We are born Muslims." People say with pride, "Thank God! He created us among Muslims." But the Qur'an confers no value to Islam by inheritance.

"O' you who believe (and call yourself Muslims) believe in Allah and His messenger and the Book revealed unto him..." 4:136.

Muslims should stop here and think for a moment. Have you ever tried to search reality? Did you really find the Truth? Or, are you just following your forefathers blindly? It is only after due contemplation that Islam can be adopted.

Why I am not a Christian

By
Dr. Shabbir Ahmed. MD (Florida)

The title has been borrowed with gratitude from Bertrand Russel's book, "Why I am not a Christian," written years ago. Lord Russel had his own reasons for "not being a Christian". I have my own. Let us begin.

OVER A BILLION PEOPLE: It is proudly claimed that there are more than one billion Muslims in the world. The non-Muslim world dislikes them. Muslims complain that all anti-Islamic or anti-Muslim sentiment is based on prejudice. But, this is only part of the truth. The remaining truth is that more than one billion people who call themselves Muslims are so only by name. Thus, it is their non-Islamic practices that invite the world's condemnation.

"Among people are those who claim that they believe in Allah and the life Hereafter, but in fact they believe not," Qur'an 2:8.

Let us hear this truth in the words of great Sir Syed Ahmed Khan of Aligarh. India,

"The prevalent form of Islam is not the Deen (way of life) that was revealed to the Holy Messenger and that which is preserved in the Holy Qur'an. . . . . Muslims have chosen for themselves their ancestors' traditions and beliefs, their customs and practices, as gods beside God. They have acknowledged and invented countless prophets (jurists, mystics, 'sufies', imams, historians) after Muhammad, the Exalted. They have taken books written by men as equivalent of the Qur'an. We do not accept these false gods, fictitious prophets and fake "qur'ans". We are destroyers of these false gods, fictitious prophets and fake qur'ans just as our father Abraham, the Exalted was the destroyer of his father Azar's idols."

Dear reader, if the saying of Sir Syed has astonished you please reflect on some verses of the Qur'an that support his contentions:

"Surely you will prevail if you are indeed believers." 3:139

"Allah will never give the disbeliever any way of success against the believers." 4:141.

"My righteous servants will inherit the earth." 21:105.

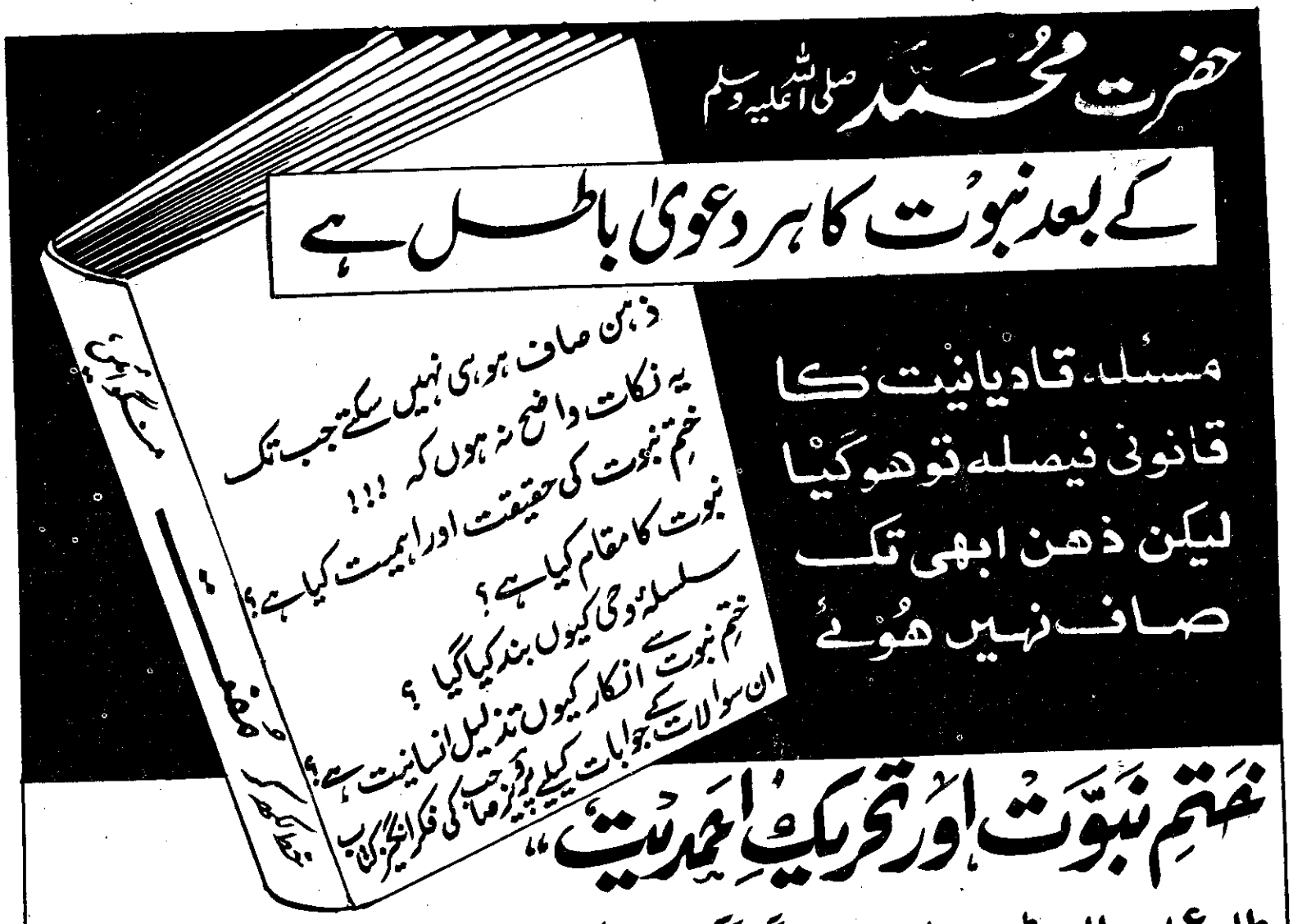

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کے بعد نبوت کا ہر دعویٰ باطل ہے
مسئلہ قادیانیت کا
قانونی فیصلہ تو ہو گیا
لیکن ذہن ابھی تک
صاف نہیں ہوئے
ذہن صاف ہو ہی نہیں سکتے جب تک
یہ نکات واضح نہ ہوں کہ !!!
ختم نبوت کی حقیقت اور اہمیت کیا ہے؟
نبوت کا مقام کیا ہے؟
سلسلۂ وحی کیوں بند کیا گیا؟
ختم نبوت سے انکار کیوں تذلیل انسانیت ہے؟
ان سوالات کے جوابات کیلئے جناب پرویز صاحب کی فکر انگیز کتاب
"ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت"
طلوع اسلام ٹرسٹ 25-B گلبرگ II لاہور 54660 فیکس نمبر 042-5866617

يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۔ (5/67)

اے رسولؐ! اس ضابطۂ حیات کو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے
تمام انسانوں تک پہنچا دو۔

فِرقے

کیسے مِٹ سکتے ہیں

ادارۂ طلوعِ اسلام۔ ۲۵ بی۔ گلبرگ ۲، لاہور۔ فون 5714546

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟

قرآن نے دین کو مکمل کر دیا اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا کہ تمہارا شعار زندگی اب یہ ہے کہ **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا**..... (3:103)- تم سب کے سب مل کر اس ضابطہ خداوندی کو محکم طور پر تھامے رہو اور فرقوں میں مت بٹ جاؤ- یہ ہے دین کا اصل الاصول- اسی میں تمہاری فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے اور اسی سے خود دین کا (یعنی اس نظام زندگی کا جو تمہارے لئے تجویز کیا گیا ہے) قیام' تمکن اور استحکام وابستہ ہے- اس آیہ جلیلہ کے مختلف الفاظ پر غور کیجئے- حقیقت ابھر کر سامنے آتی جائے گی- سب سے پہلے یہ کہ' **حبل اللّٰہ** ایک ہے- ایک سے زیادہ نہیں- دین کا ضابطہ قرآن ہے اور یہی وہ **عُرْوَةِ الْوُثْقٰى** (2:256)- وہ محکم سہارا ہے' جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا- (**لَا انْفِصَامَ لَهَا**) (2:256)- کبھی دغا نہیں دے سکتا- جو ہر زمانے میں- ہر مقام پر- تمام نوع انسانی کے لئے واحد اور مکمل ضابطہ حیات ہے- ذہن انسانی کے وضع کردہ نظام زندگی' زمانے کے تقاضوں کے بدلنے سے ٹوٹتے اور بنتے - بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں --- زماں زماں شکند آنچہ می تراشد عقل --- لیکن یہ ضابطہ خداوندی زمان اور مکان کی نسبتوں سے بلند اور حدود و قیود کے امتیازات سے ماوراء ہے- اس کے اصول - زندگی کی وہ ابدی اور مستقل اقدار ہیں جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا- **لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ**..... (10:64)-

دین اجتماعی ہے :- (2) **وَاعْتَصِمُوْا** (3:103)- میں جمع کے صیغے (تم سب) اور **جَمِيْعاً** کی تخصیص سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ دین' خدا اور بندے کے درمیان انفرادی تعلق کا نام نہیں کہ ہر شخص اپنی اپنی جگہ بیٹھے- اپنے اپنے انداز سے "گیان دھیان" کے ذریعے خدا سے لو لگالے اور اس طرح اپنی "مکتی" (نجات) کا سامان پیدا کر لے- دین' اجتماعی نظام زندگی کا نام ہے- جس میں تمام افراد ایک ناقابل تقسیم وحدت کی حیثیت سے رہتے اور ایک طریق پر چلتے ہیں- ان کی وجہ جامعیت بھی دین کا اشتراک ہے- اسی سے یہ سب ایک امت بنتے ہیں- **وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً**..... (2:143)-

(3) **جمیعا** نے اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اس دین کے مطابق زندگی اسی صورت میں بسر ہو سکتی ہے جب پوری کی پوری امت ایک ہی طریق پر چل رہی ہو- اگر اس میں مختلف فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقہ نے ایک جداگانہ طریق کی پیروی اختیار کر لی' تو یہ دین باقی نہیں رہ سکتا- **لَا تَفَرَّقُوْا** کے حکم نے اس حقیقت کو اور بھی نمایاں کر دیا- **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً** میں امر (حکم) تھا- یعنی یہ کرو اور **لا تفرقوا** میں نہی ہے (کہ یوں نہ کرو) اور یہ ظاہر ہے کہ جس بات کو امر اور نہی- مثبت اور منفی کی حدوں میں گھیر کر بیان کیا جائے اس میں نہ کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی رہتی ہے نہ مزید تاکید و تائید کی ضرورت- **وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا**..... (3:103)- ایک جامع اصول زندگی ہے جس میں کسی اختلاف یا استثناء کی قطعاً" گنجائش نہیں-

یہ کوئی نیا اصول نہیں :- (4) قرآن نے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کوئی نیا اصول زندگی نہیں جو تمہیں پہلی بار دیا جا رہا ہے-

یہی اصول ہے جو پہلے دن سے آج تک ہر نبی کی وساطت سے دیا جاتا رہا ہے۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى ..... (42:13)- اللہ نے اسی دین (نظام زندگی) کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے جس کا حکم اس نے نوحؑ کو دیا تھا۔ وہی دین اب تمہاری طرف وحی کیا جاتا ہے۔ اسی کا حکم ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا۔

یہ حکم کیا تھا؟ یہی کہ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ..... (42:13)- تم سب اسی دین کو قائم کرنا اور اس میں کسی قسم کا تفرقہ نہ پیدا کر دینا۔ یہی وہ دین کی وحدت اور تفرقہ سے اجتناب تھا جس سے تمام انبیاء کرامؑ (زمان اور مکان کے اس قدر بعد اور اختلاف کے باوجود) ایک "امت واحدہ" بن گئے تھے۔ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ (23:52)- اے گروہ انبیاء! یہ تمہاری جماعت امت واحدہ ہے۔ تمہاری وجہ جامعیت یہ ہے کہ میں تم سب کا نشوونما دینے والا ہوں۔

امت واحدہ :- لہٰذا تم صرف میرے قوانین کی نگہداشت کرنا۔ یہاں اس حقیقت کو نمایاں کیا گیا کہ امت کی وحدت' ضابطہ زندگی اور قانون حیات کی وحدت پر مبنی ہوتی ہے۔ جب تک دین ایک رہے گا' امت بھی ایک رہے گی۔ یا جب تک امت ایک ہو گی' اس کا دین بھی ایک ہو گا۔ جب امت میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ تو دین بھی ایک نہیں رہے گا۔ الگ الگ ہو جائے گا۔ اور چونکہ دین ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اس لئے الگ الگ "دین" کے معنی یہ ہیں کہ اصل دین کہیں باقی نہیں رہا۔

(5) کسی امت (قوم - جماعت) میں تفرقہ پیدا کر دینا کتنا بڑا جرم ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگائیے جسے خدا نے سورہ طٰہٰ میں بیان کیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کچھ دنوں کے لئے باہر تشریف لے جاتے ہیں اور بنی اسرائیل کو حضرت ہارونؑ کی زیر نگرانی چھوڑ جاتے ہیں۔ جب آپ واپس آتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ قوم نے گئو سالہ پرستی اختیار کر رکھی ہے۔ اس کا جو اثر حضرت موسیٰؑ کی طبیعت پر ہو سکتا تھا۔ ظاہر ہے۔ وہ غصے سے لال پیلے ہو جاتے ہیں اور اپنے بھائی سے پوچھتے ہیں کہ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ..... (20:92)- "جب تم نے دیکھا تھا کہ یہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں' تو وہ کونسی بات تھی جس کی وجہ سے تم نے انہیں (اس روش سے) روکا نہیں"؟ اب سنئے کہ حضرت ہارونؑ اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ یاد رہے کہ حضرت ہارونؑ بھی خدا کے رسول ہیں۔ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ○ ..... (20:94)- "مجھے یہ اندیشہ گذرا کہ تو آ کر یہ نہ کہہ دے کہ (اے ہارونؑ) تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے فیصلے کا بھی انتظار نہ کیا"۔

شرک سے بھی بڑھ کر:- آپ نے سوچا برادران! کہ یہ بات کیا ہوئی؟ حضرت ہارونؑ نے کہا کہ اگر یہ لوگ جہالت کی وجہ سے کچھ وقت کے لئے مورتی کی پوجا کرنے لگ گئے تھے تو میرے نزدیک یہ اتنا بڑا جرم نہیں تھا جتنا بڑا جرم ان میں تفرقہ پیدا کر دینا تھا۔ یہ جواب ایک نبی کی طرف سے دیا جاتا ہے اور دوسرا نبی اس سے مطمئن ہو جاتا ہے جیسا کہ ذرا آگے چل کر بتایا جائے گا۔ قرآن نے خود فرقہ بندی (تفرقہ) کو شرک قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ گئو سالہ پرستی بھی شرک تھی اور تفرقہ انگیزی بھی شرک لیکن تفرقہ انگیزی کا شرک ایسا شدید اور سنگین تھا کہ اس سے بچنے کے لئے عارضی طور پر گئو سالہ پرستی کے شرک کو گوارا کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ قرآن اس پر شاہد ہے کہ گئو سالہ پرستی کے جرم کا ازالہ توبہ سے ہو گیا۔ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (2:54)- لیکن جب انہوں نے باہمی تفرقہ پیدا کر لیا اور اس طرح امت واحدہ کی بجائے مختلف گروہوں اور پارٹیوں میں بٹ گئے۔ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي

الارض امما ..... (7:168)- تو ان پر تباہی اور بربادی۔ ذلت و خواری - محرومی و محتاجی کا ایسا عذاب مسلط ہو گیا جو ہر جگہ سائے کی طرح ان کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا ..... (3:111)-

(6) جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے' ہر رسول کا پیغام یہ تھا کہ' "دین کو قائم کرو اور باہمی تفرقہ مت پیدا کرو"۔ ہر رسول اس پیغام کے ذریعے ایک جماعت۔ ایک امت متشکل کر کے جاتا۔ اس کی امت کچھ وقت تک تو متحد رہتی لیکن اس کے بعد اس میں گروہ بندیاں اور فرقہ سازیاں شروع ہو جاتیں۔ یہ کیوں ہوتا؟

قرآن اس کی وجہ بتاتا ہے کہ وما تفرقوا الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ..... (42:14)- یعنی خدا کی طرف سے العلم (وحی) آ جانے کے بعد' جس کا مقصد تمام اختلافات کو مٹا دینا ہے' باہمی تفرقہ کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ لیکن اس وحی کے وارث' باہمی ضد اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑنے کے جذبہ کی وجہ سے مختلف فرقے بنا لیتے ہیں۔

فرقہ سازی کا جذبہ محرکہ :- یعنی اس گروہ بندی اور فرقہ سازی کی وجہ یہ نہیں تھی کہ انہیں دین کی کسی حقیقت کے سمجھنے میں غلطی لگ جاتی تھی۔ کوئی شق مشتبہ اور مبہم رہ جاتی تھی۔ خدا کی طرف سے دیئے ہوئے علم میں اشتباہ و ابہام کا کیا کام؟

یہ فرقہ سازی محض ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے ہوتی تھی۔ ان میں سے جن لوگوں کے دل میں لیڈر بننے کا شوق چراتا وہ اپنا فرقہ الگ بنا لیتے' پھر ہر فرقہ' دوسرے فرقہ سے آگے نکل جانا اور اس پر غالب آ جانا چاہتا۔ اس سے باہمی کش مکش اور سر پھٹول شروع ہو جاتی اور یوں اس امت واحدہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے اور اس کے ساتھ ہی دین بھی اس تشتت و افتراق کے پردوں میں گم ہو جاتا۔ اس سے یہ حقیقت بھی ہمارے سامنے آ گئی کہ فرقہ بندی علم و بصیرت اور دلائل و براہین کی بناء پر وجود میں نہیں آتی۔ اس کی بنیاد جذبات پر ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر فرقہ کے لوگ اپنے فرقہ کے برسر حق ہونے کے ثبوت میں دلائل پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ اور وہ کونسا جذباتی فیصلہ ہے جس کی تائید میں عقل فسوں ساز دلائل مہیا نہیں کر دیتی؟

نزول قرآن کا مقصد :- (7) نزول قرآن کے وقت دنیائے مذاہب کی یہی کیفیت تھی۔ (واضح رہے کہ دین تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن جب فرقہ بندی میں اس کے ٹکڑے ہو جاتے ہیں تو انہیں مذاہب کہا جاتا ہے) قرآن نے اپنے نزول کا مقصد یہ بتایا ہے کہ وہ ان تمام اختلافات کو مٹا کر' خدا کا دین قائم کرے گا اور فرقوں اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو ایک امت واحدہ میں تبدیل کر دے گا۔ وما انزلنا علیک الکتب الا لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ..... (16:64)- "(اے رسول) تجھ پر یہ کتاب صرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ جن امور میں یہ لوگ باہمی اختلافات کرتے ہیں' تو ان کی وضاحت کر دے"۔ اس کے بعد' جو لوگ اس دین واحد کی صداقت کو تسلیم کر لیں گے' یہ کتاب انہیں زندگی کے صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرے گی اور اس طرح ان کے لئے موجب رحمت بن جائے گی ---- وھدی ورحمۃ لقوم یومنون (16:64)- "یعنی تبیان حقیقت تو تمام انسانوں کے لئے یکساں ہو گی لیکن ہدایت اور رحمت صرف انہیں کے لئے ہو گی جو اس صداقت پر ایمان لے آئیں گے۔

اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ گئی کہ قرآن کا مقصد اولیں اختلافات کو مٹا کر دین کی وحدت کا قیام ہے اور اختلافات کا مٹ جانا خدا کی رحمت ہے۔ اسی نکتہ کی وضاحت دوسرے مقام پر ان الفاظ میں کر دی گئی کہ ولو شاء ربک لجعل الناس امۃ واحدۃ ..... (11:118)- "اگر یہ مقصود ہوتا کہ تمام انسانوں کو مجبور کر کے ایک راستے پر چلایا جائے تو خدا کے لئے

ایسا کرنا کچھ مشکل نہیں تھا"۔ اس نے جس طرح دیگر حیوانات کو اس انداز سے پیدا کیا ہے کہ ہر نوع کا فرد اپنی نوع اور جماعت کے ساتھ رہتا ہے۔ اس سے کبھی اختلاف نہیں کرتا۔ (مثلاً تمام بھیڑیں ایک نہج سے زندگی گذارتی ہیں اور تمام شیر ایک ہی راستے پر چلتے ہیں)۔

علیٰ وجہ البصیرت وحدت :- اسی طرح وہ انسانوں کو بھی جبلی طور پر ایک ہی راستے پر چلنے پر مجبور کر دیتا۔ لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے انسانوں کو فکر و عمل کی آزادی دے رکھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ چاہیں تو اتحاد اور اتفاق کی زندگی بسر کریں اور چاہیں تو تشتت و افتراق پیدا کر لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہیں بتا دیا گیا ہے کہ تشتت و افتراق کی زندگی عذاب کی زندگی ہے اور "ایک امت" بن کر رہنے کی زندگی رحمت اور سعادت کی زندگی۔ لیکن یہ وحدت اسی صورت میں حاصل ہو سکتی اور قائم رہ سکتی ہے کہ تم اپنے دل کی رضا مندی سے اور علیٰ وجہ البصیرت خدا کی کتاب کو اپنا ضابطہ حیات بنا لو۔ اگر تم نے ایسا کر لیا تو تم نے زندگی کے مقصد کو پا لیا۔ چنانچہ جو آیت اوپر درج کی گئی ہے اس کا اگلا حصہ یہ ہے **وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ○ إِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ ط**..... (11:119)- ان لوگوں کے سوا جو وحی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے خدا کی رحمت کے سزا وار بن جائیں' باقی ایک دوسرے سے اختلاف کرتے رہیں گے حالانکہ انہیں پیدا اس لئے کیا گیا تھا کہ یہ (اپنی رضا و رغبت سے) امت واحدہ بن کر رہیں۔ **وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ** ..... (11:118-119)

اس آیت سے یہ حقیقت سامنے آ گئی کہ

(1) مقصود تخلیق انسانی یہ ہے کہ تمام انسان ایک امت (ایک عالمگیر برادری) بن کر رہیں اور باہمی اختلاف پیدا نہ کریں۔

(2) یہ اختلافات صرف وحی خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے مٹ سکیں گے۔ یہ زندگی رحمت کی زندگی ہے۔

(3) جو لوگ وحی کے مطابق زندگی بسر نہیں کریں گے ان کے اختلافات مٹ نہیں سکیں گے یہ عذاب کی زندگی ہو گی۔

تفرقہ مت پیدا کر لینا :- (8) ان حقائق کی وضاحت کے بعد مسلمانوں سے کہہ دیا گیا کہ **وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَ اخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط**..... (3:105)- "دیکھنا! تم بھی کہیں ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے خدا کی طرف سے واضح حقائق مل جانے کے بعد' فرقے بنا لئے اور آپس میں اختلاف کرنے لگ گئے"۔ **وَأُولٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ** ..... (3:104)- "یہ لوگ فرقوں میں بٹ جاتے ہیں اور آپس میں اختلاف کرنے لگ جاتے ہیں' ان پر سخت عذاب مسلط کر دیا جاتا ہے"۔ اس کے بعد کی دو آیات میں قرآن نے بتایا ہے کہ اختلاف اور تفرقہ کی زندگی درحقیقت' ایمان کے بعد کفر کی زندگی ہے اور روسیاہی کا موجب۔ اس کے برعکس' وحدت و ائتلاف کی زندگی سے سرخروئی نصیب ہوتی ہے اور خدا کی رحمت --- **يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَ تَسْوَدُّ وُجُوهٌ ج فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ○ و اما الذين ابيضت وجوههم ففى رحمة الله هم فيها خلدون ○** ..... (3:105-106)-

ان آیات سے ظاہر ہے کہ فرقہ بندی اور باہمی اختلاف کی زندگی لعنت اور عذاب کی زندگی ہے اور خدا کی رحمت ان پر ہوتی ہے جو ایک امت بن کر رہتے اور اختلافات سے بچتے ہیں۔

ضمناً یہ بھی دیکھئے کہ قرآن نے اختلاف اور افتراق کا نتیجہ عذاب عظیم بتایا ہے۔ عظیم کا لفظ جس باب سے آیا ہے اس میں دوام اور استمرار کا پہلو مضمر ہوتا ہے یعنی یہ عذاب وقتی اور ہنگامی نہیں ہو گا بلکہ استمراری اور دوامی ہو گا۔ جب تک فرقہ بندی رہے گی یہ عذاب بھی مسلط رہے گا۔

فرقہ بندی شرک ہے :- (9) قرآن نے اس سے بھی آگے

بڑھ کر مسلمانوں سے کہہ دیا کہ **و لا تکونوا من المشرکین** ..... (30:31)- "دیکھنا! کہیں تم توحید پرست ہو جانے کے بعد پھر مشرک نہ بن جانا"۔

یہ چیز بڑی تحیر انگیز اور (بظاہر) ناقابل فہم تھی کہ مسلمان' ایک خدا پر ایمان لانے کے بعد پھر مشرک کس طرح بن سکتے ہیں؟ کیا یہ بتوں کو پوجنا شروع کر دیں گے؟ قرآن کہتا ہے کہ نہیں۔ شرک بتوں کی پرستش ہی نہیں۔ جیسا کہ ہم بنی اسرائیل کی گئو سالہ پرستی کے قصے میں دیکھ آئے ہیں' بت پرستی "شرک خفی" (کم درجے کا شرک) ہے۔ "شرک جلی" اور ہے۔ اس کی وضاحت میں بتا دیا کہ مشرک ہو جانے سے مطلب یہ ہے کہ **ولا تکونوا من المشرکین ○ من الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا** ..... (30:32)- "یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈال دیا اور فرقے بن گئے"۔ اس فرقہ بندی سے ہوتا یہ ہے کہ **کل حزب بما لدیھم فرحون** ○ (30:31-32)- ہر فرقہ اس خیال میں مگن رہتا کہ میں حق پر ہوں اور باقی فرقے باطل پر ہیں۔ فرقہ پرستی کی یہ ایسی نفسیات ہے جس کا مشاہدہ ہم ہر وقت کر سکتے ہیں۔ اس آیت میں **کل حزب** کے ٹکڑے کو خاص طور پر ذہن میں رکھئے کیوں کہ یہ ایک اہم حقیقت کا پردہ کشا ہے جس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

فرقہ سازوں سے رسولؐ کا کوئی تعلق نہیں :- بہرحال قرآن نے امت واحدہ سے کھلے کھلے الفاظ میں کہہ دیا کہ اگر تم نے دین میں فرقے پیدا کر لئے تو یہ توحید نہیں' شرک ہو گا اور کوئی فرقہ یہ کہہ کر اس سے بری الذمہ نہیں ہو سکے گا کہ ہم اصلی اور حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور دوسرے فرقے باطل پر ہیں۔ اسی بناء پر رسولؐ اللہ سے کہہ دیا گیا کہ **ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شیئی** ○ ..... (6:159)- "جو لوگ اپنے دین میں تفرقہ پیدا کر دیں' اور ایک فرقہ بن کر بیٹھ جائیں' اے رسول! تجھے ان سے کوئی تعلق نہیں"۔ یعنی فرقے بنانے والوں سے نہ خدا کا کوئی تعلق ہے (کیوں کہ وہ توحید پرست نہیں رہتے' مشرک ہو جاتے ہیں) اور نہ ہی خدا کے رسول کا ان سے کوئی واسطہ۔ کیوں کہ رسول نے تو ایک دین قائم کیا اور ایک امت بنائی تھی۔ یہ الگ امت بنا لینے والے' درحقیقت ایک متوازی دین (نظام زندگی) کے حامل ہو گئے اس لئے انہیں اس رسول سے کیا تعلق؟

اس مقام پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایک امت بنائی جو دین حق پر قائم تھی۔ اس امت میں سے ایک فرقہ نکل کر الگ ہو گیا۔ اب ظاہر ہے کہ یہ نیا فرقہ شرک کے جرم کا مرتکب اور باطل پرست ہے۔ بقیہ امت کو جو اپنے مسلک پر قائم ہے اسے ایک فرقہ ٹھہرا کر اسی جرم کا مرتکب قرار دے دینا تو کسی صورت میں درست نہیں ہو سکتا؟ یہ اعتراض اہم ہے لیکن اس کا جواب یا اس مشکل کا حل' ذرا آگے چل کر سامنے آئے گا۔

صلوٰۃ وجہ جامعیت :- (10) سورہ روم کی جس آیت میں کہا گیا ہے کہ **و لا تکونوا من المشرکین** ..... اس سے پہلے ہے **و اقیموا الصلوٰۃ** "صلوٰۃ کو قائم رکھو' اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ"۔ یعنی ان میں سے جنہوں نے دین میں فرقے پیدا کر دیئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ دین میں نظام صلوٰۃ وہ بنیادی حقیقت ہے کہ جب تک یہ قائم رہے' فرقے نہیں بن سکتے۔ یہی وجہ ہے جو قرآن نے کہا ہے کہ جب انبیاءؑ کے جانے کے بعد ان کی امت فرقوں میں بٹ جاتی ہے تو وہ حقیقت صلوٰۃ کو ضائع کر دیتی ہے۔ اور اپنے اپنے جذبات کے پیچھے لگ جاتی ہے۔ **فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ** ○ ..... (19:59)- اس کی زندہ شہادت خود ہماری اپنی حالت ہے۔ ہماری کیفیت یہ ہے کہ وہی صلوٰۃ جسے قرآن نے وحدت امت کا محکم ذریعہ بتایا تھا' آج مختلف فرقوں کی تمیز و تفریق کی علامت بن گئی ہے۔ چنانچہ اگر

آپ نے دیکھنا ہو کہ فلاں شخص کس فرقے سے متعلق ہے تو یہ دیکھو کہ وہ نماز کس طرح پڑھتا ہے؟ (یہی وجہ ہے کہ جب طلوع اسلام کے خلاف اس کے مخالفین نے یہ پروپیگنڈہ شروع کیا کہ ایک نیا فرقہ ہے انہیں اپنے اس دعویٰ کی تائید میں یہ الزام بھی تراشنا پڑا کہ یہ لوگ تین وقت کی نماز پڑھتے ہیں اور ایک رکعت میں ایک ہی سجدہ ضروری سمجھتے ہیں۔ گویا انہوں نے ثابت یہ کرنا چاہا کہ چونکہ ان کی نماز اور فرقوں سے مختلف ہے اس لئے یہ ایک نیا فرقہ ہے۔ حالانکہ یہ سب بہتان تراشی اور افترا پردازی تھی۔ نہ طلوع اسلام کوئی الگ نماز تجویز کرتا ہے نہ الگ فرقہ بناتا ہے۔ (جس کے نزدیک فرقہ سازی شرک ہو وہ بھلا خود فرقہ کیسے بن جائے گا؟)

مسجد ضرار :- بہرحال' یہ جملہ معترضہ تھا ہم کہہ رہے تھے کہ قرآن نے صلوٰۃ کو امت واحدہ کے لئے وجہ جامعیت قرار دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں بعض تفرقہ انگیزوں نے ایک نئی مسجد تعمیر کی تو قرآن نے جس شدت سے اس کی مخالفت کی اس کا اندازہ سورہ توبہ کی متعلقہ آیات سے لگ سکتا ہے۔ سنئے ! اور غور سے سنئے کہ قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے۔ **وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا** ..... (9:107)- "جن لوگوں نے اس غرض سے مسجد تعمیر کرائی کہ اس سے ملت اسلامیہ اور خود دین کو نقصان پہنچایا جائے"۔ **وَّكُفْرًا** "اور کفر کی حمایت کی جائے یا کفر کی روش اختیار کی جائے"۔ **وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** ..... " یعنی اس غرض سے کہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا جائے۔ تم اس مسجد کو مسجد سمجھتے ہو۔؟ یہ مسجد نہیں۔ **وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ** ..... "یہ وہ کمین گاہ ہے جس میں بیٹھ کر وہ شخص جو اس سے پہلے خدا اور رسول (نظام خداوندی) کا دشمن تھا۔ ملت پر تیر اندازی کرے گا"۔ یعنی یہ مسجد نہیں' یہ وہ قلعہ ہے جس کے اندر خدا اور رسول کے دشمن پناہ لے کر دین کے قصر مشید کو منہدم کرنے کی مذموم کوشش کریں گے۔ **وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى** ..... "یہ قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اس مسجد کی تعمیر سے ہمارا ارادہ بجز بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ ہم دین کی تخریب تھوڑا چاہتے ہیں"۔ **وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ** ..... "تم ان کی باتوں میں نہ آ جانا۔ خدا گواہ ہے کہ یہ یکسر جھوٹے ہیں"۔ **لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا** ..... "اے رسول ! تم اس مسجد میں ایک قدم بھی نہ رکھنا"۔ یہ مسجد یونہی سمجھئے کہ دوزخ کے کنارے پر کھڑی ہے۔ جس نے اسے بنایا ہے اور جو اس میں داخل ہو گیا۔ یہ ان سب کو لے کر جہنم کے عمیق گڑھے میں جا گرے گی۔ (9:107-109)- چنانچہ تاریخ اس کی شہادت دیتی ہے کہ رسولؐ اللہ نے صحابہؓ کو بھیج کر اس مسجد کو منہدم کرا دیا۔

اس واقعہ سے آپ اندازہ لگائیے کہ اسلام میں فرقہ بندی کس قدر شدید اور سنگین جرم ہے کہ (اور تو اور) اگر کسی مسجد کی تعمیر سے بھی فرقہ بندی کی جھلک پڑتی ہو' تو اس مسجد کا گرا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ مسجد گرائی جا سکتی ہے لیکن فرقہ کی طرح نہیں پڑنے دی جا سکتی۔ کیوں کہ فرقہ بندی بہ نص صریح شرک ہے اور شرک جلی۔

امت واحدہ کی تشکیل :- (11) یہ تھیں وہ کھلی کھلی ہدایات جو وحدت امت کے سلسلہ میں مسلمانوں کو دی گئیں۔ انہی ہدایات کی بنا پر نبی اکرمؐ نے امت واحدہ کی تشکیل فرمائی۔ یہ وہ امت تھی جس کا نظام ایک تھا۔ ضابطہ زندگی ایک تھا۔ مرکز ایک تھا۔ دین ایک تھا۔ راستہ ایک تھا۔ نصب العین ایک تھا۔ ان میں نہ کسی قسم کا اختلاف تھا نہ افتراق۔ یہی تھی وہ جماعت جس کے متعلق خدا نے کہا ہے کہ **فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا** ..... (3:102)- "اللہ نے تمہارے دلوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیا۔ اور دین کے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا"۔ **رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ**

اس کے بعد امت پر کیا گذری؟ یہ ایک حدیث ہے' دلخراش اور داستان ہے جگر سوز۔ اس لئے تفصیل میں گئے بغیر' قرآن کے الفاظ میں صرف اتنا سن لیجئے کہ وَمَا تَفَرَّقُوٓا۟ إِلَّا مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ (42:14)- جس طرح امم سابقہ نے' وحی کے مل جانے کے بعد' باہمی ضد اور سرکشی کے جذبے سے دین میں فرقے بنا ڈالے تھے' یہ بھی فرقوں میں بٹ گئے۔ قرآن کے اس قدر واضح' بین اور صریح احکام و ہدایات۔ تنبیہات و تاکیدات کی موجودگی میں' امت کا فرقوں میں بٹ جانا یقیناً ایک تحیر انگیز واقعہ ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کیسے انکار ہو سکتا ہے کہ امت فرقوں میں بٹی اور یہ فرقے اب تک موجود ہیں۔ اس مقام پر رہ رہ کر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ فرقوں میں بٹنے والے اپنی اس روش کے جواز میں بالاخر کوئی تو دلیل پیش کرتے ہوں گے؟ جی ہاں! وہ دلیل پیش کرتے ہیں۔

اختلاف امتی رحمتہ :- غور سے سنئے وہ دلیل کیا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ..... رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے کہ **اختلاف امتی رحمتہ** (میری امت میں اختلاف رحمت ہے)۔ آپ نے سوچا کہ یہ بات کیا ہوئی؟ یعنی وہ اختلاف جس کے متعلق قرآن نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ وہ خدا کا عذاب ہے۔ باعث کفر ہے۔ شرک ہے۔ اسی اختلاف کے متعلق کہا جاتا ہے کہ (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ نے اسے باعث رحمت قرار دیا! جو شخص ذرا بھی قرآنی تعلیم سے مس رکھتا ہو' وہ بلا ادنیٰ تامل کہہ دے گا کہ عربی زبان کا یہ فقرہ کبھی رسولؐ اللہ کا نہیں ہو سکتا۔ حضورؐ نے کبھی ایسا نہیں فرمایا ہو گا۔ یہ ناممکن ہے کہ خدا ایک چیز کو عذاب قرار دے اور اس کا رسول اسے رحمت بتائے۔ لیکن آپ یہ کچھ کہتے رہئے اور فرقہ پرست اپنی بات پر اڑے رہیں گے کہ نہیں --- رسولؐ اللہ نے ایسا فرمایا اور ضرور فرمایا تھا۔ یہ محض اس لئے کہ اگر اس فقرے کو حدیث رسولؐ اللہ قرار نہ دیا جائے تو پھر فرقہ بندی کے لئے جواز کی راہ کوئی نہیں رہ جاتی۔ لیکن وہ جو قرآن نے کہا ہے کہ جو لوگ حقیقت کو طوعاً" (بہ طیب خاطر) نہیں مانتے' حقیقت ان سے اپنے آپ کو کرہاً" (مجبوراً) منوا لیتی ہے۔ اس کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے۔ عرصہ کی بات ہے کہ مرزائیوں کے خلاف یہ اعتراض کیا گیا کہ انہوں نے ایک نیا فرقہ بنا کر امت میں اختلاف پیدا کر دیا ہے۔ اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے کسی عمل سے امت میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے تو امت کو اس کے لئے ہمارا شکر گذار ہونا چاہئے نہ کہ شکوہ سنج۔ اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اختلاف امتی رحمتہ۔ ہمارا یہ نیا فرقہ امت کے لئے مزید رحمتوں کا باعث ہے۔

یہ حدیث نہیں :- آپ سوچئے کہ ان کے اس جواب کا جواب الجواب کیا ہو سکتا ہے۔؟ اس کے جواب میں (جمعیت اہل حدیث کے ترجمان "الاعتصام") کو مجبوراً کہنا پڑا کہ اختلاف امتی رحمتہ کوئی حدیث ہی نہیں۔ اس لئے اسے سند میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اب اس فقرے کو حدیث نہ قرار دینے سے کیا حاصل؟ اس نے جس قدر تباہی مچانی تھی اس ایک ہزار برس میں مچا دی۔ اس نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے' انہیں فرقوں اور گروہوں میں تقسیم کر کے مستقل جنگ وجدل کا سامان پیدا کر دیا۔ اس نے ان کی سلطنتیں تباہ کر دیں۔ ان کی شوکت و عظمت کو تباہ کر دیا۔ ان کی دنیا اور عاقبت دونوں خراب کر دیں۔ ایسی عظیم ہلاکتوں اور تباہیوں کے بعد اگر اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا کہ یہ فرمان رسولؐ نہیں ہے تو اس سے ان نقصانات کی تلافی کیا ہو گی؟ اس قسم کی ہیں وہ وضعی حدیثیں جن کے متعلق طلوع اسلام کہا کرتا ہے کہ یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہیں' اور یہی ہے اس کا وہ جرم جس کی پاداش میں اسے گردن زدنی اور کشتنی قرار دیا جاتا ہے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس حدیث کو وضعی قرار دیئے

جانے کے باوجود' اسے فرقہ بندی کے جواز میں برابر پیش کیا جاتا ہے۔

تہتر فرقے :- بہرحال' یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ میں کہہ یہ رہا تھا کہ فرقہ بندی کے جواز میں' "اختلاف امتی رحمتہ" کو بطور دلیل پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں ایک سقم ہے وہ یہ کہ اس کی رو سے تمام فرقے موجب رحمت' فلہذا حق پر قرار پا جاتے ہیں۔ اور فرقہ بندی اسے کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ ہر فرقہ کو سچا سمجھا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ایک اور حدیث وضع کی گئی جس میں کہا گیا کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے۔ ان میں سے ایک فرقہ ناجی ہو گا۔ باقی سب جہنمی ہوں گے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اس میں ایک فرقہ کی استثناء نے کس طرح ہر فرقے کو مطمئن کر دیا کہ وہ حق پر ہے اور باقی سب باطل پر ہیں۔ قرآن کریم نے فرقوں کے متعلق کہا تھا کہ **كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ** ۝... (23:53)۔ ہر فرقہ اس زعم باطل میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ یعنی قرآن نے "**کل حزب**" (تمام فرقے) کہہ کر اس چور دروازے کو بند کر دیا تھا جس کے راستے فرقہ پرستی کا جھوٹا اطمینان داخل ہو سکتا تھا۔ لیکن اس وضعی روایت نے "ایک فرقہ" کی استثناء سے اس چور دروازے کو چوپٹ کھول دیا۔ چنانچہ ہماری ہزار سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسی استثناء کی آڑ میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے فرقوں کو جہنمی قرار دینے کے "جہاد عظیم" میں مصروف چلا آ رہا ہے اور ان کے خون کے چھینٹوں کو اپنے لئے وجہ سرخروئی سمجھ رہا ہے۔

ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوؤں کا مشغلہ روز اول سے جاری چلا آ رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی جڑیں آئے دن وجہ سوہان روح ہوتی ہیں۔ ان فسادات کی بیشتر بنیاد مساجد کی "تقسیم" ہوتی ہے۔ باہمی جھگڑے طول کھینچتے ہیں تو پولیس مسجد پر تالہ لگا دیتی ہے۔ مقدمہ عدالت تک پہنچتا ہے۔ اور اس تمام دنگا فساد میں ہر فرقہ اپنے آپ کو ناجی اور فریق مقابل کو جہنم کا کندہ قرار دیتا ہے اور ستم ظریفی یہ کہ دونوں اپنے آپ کو اس اسلام کے پیرو قرار دیتے ہیں جس نے فرقہ بندی کو شرک قرار دیا تھا۔

پس چہ باید کرد؟ :- (12) سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کیا جائے؟ فرقے بہرحال موجود ہیں اور ان میں کوئی بھی اپنے آپ کو مٹانے کے لئے تیار نہیں' ہر فرقہ' فرقے مٹانے کی تدبیر یہ بتاتا ہے کہ دوسرے فرقے اپنے آپ کو اس فرقے میں شامل کر لیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کے لئے کوئی فرقہ بھی تیار نہیں۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ اس مشکل کا حل کیا ہے؟ یہ سوال بڑا اہم اور بڑا نازک ہے۔ اس لئے اس پر گہرے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

(i) قرآن کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر قسم کے اختلاف کو مٹانے آیا ہے۔

(ii) اس پر ہمارا ایمان ہے۔

(iii) قرآن ہمارے پاس اپنی اصلی شکل میں موجود ہے۔

اب آپ سوچئے کہ اگر ہم اس کے بعد بھی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے اختلافات مٹ نہیں سکتے اور فرقے ختم نہیں ہو سکتے تو اس کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے؟ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ (معاذ اللہ) قرآن میں اب اس کی صلاحیت نہیں کہ وہ اختلافات مٹا سکے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ کیا آپ میں سے کوئی بھی ایسا کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ لیکن اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اب ہمارے فرقے مٹ نہیں سکتے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں کہ ہم عملاً اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ قرآن کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ وہ فرقوں کو مٹا سکتا ہے ! اگر قرآن کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے تو ہمیں سب سے پہلے اس خیال کو دماغ سے نکال دینا ہو گا کہ قرآن کے ہوتے ہوئے بھی فرقے نہیں مٹ سکتے۔ یاد رکھئے ! قرآن کا ہر دعویٰ سچا ہے اور اس

میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اختلافات کو مٹا دے۔ اس کے بعد سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ طریق کیا ہے جس کے مطابق قرآن اختلافات کو مٹاتا ہے۔

فرقہ اہل قرآن :- آج سے کچھ عرصہ پہلے ہمارے ہاں (پنجاب میں) ایک جماعت پیدا ہوئی جس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ خالص قرآن پر عمل کرے گی اور اس طرح مسلمانوں میں پیدا شدہ اختلافات کو مٹا دے گی۔ یہ مقصد بڑا نیک اور یہ دعویٰ بڑا مبارک تھا۔ لیکن اس کا جو عملی نتیجہ ہمارے سامنے آیا وہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس سے سابقہ فرقوں کو مٹانا تو کجا' ان میں ایک اور فرقے "اہل قرآن" کا اضافہ ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اختلافات مٹانے کے لئے قرآن نے جو طریق بتایا تھا وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس لئے ان کی یہ کوشش ناکام رہی۔ بدقسمتی یہ کہ ان کی ناکامی نے خود قرآن کے مشن کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اس طرح کہ اب اگر کسی سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے اختلافات قرآن کی رو سے مٹ سکتے ہیں تو اس کے جواب میں طنزاً" یا ٹھنڈی سانس بھر کر کہہ دیا جاتا ہے کہ صاحب! یہ نسخہ بھی آزمایا جا چکا اور ناکام ثابت ہو چکا ہے۔ یعنی ان حضرات کی ناکامی نے خود قرآن کے متعلق یہ خیال پیدا کر دیا کہ (معاذ اللہ) اس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں رہی کہ یہ اختلافات کو مٹا سکے۔

اختلافات مٹانے کا طریق :- (13) اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن ان اختلافات کو مٹانے کا کیا طریق بتاتا ہے؟ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن یہ کہتا ہے کہ **وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ** ..... (42:10)- "جس معاملہ میں بھی تمہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ (حکم) اللہ کی طرف سے ہونا چاہئے"۔ اس میں "حکم" کا لفظ غور طلب ہے۔ یعنی یہ انفرادی چیز نہیں کہ دو آدمیوں میں کسی بھی مسئلہ میں اختلاف ہو اور وہ اپنے طور پر قرآن سے فیصلہ لینے بیٹھ جائیں۔ متنازعہ فیہ امور میں حکم یا فیصلہ' ہمیشہ تیسرے مقام سے ملا کرتا ہے اسے حکم یا ثالث کہتے ہیں۔ اسی مقصد کے لئے قرآن نے رسولؐ اللہ سے کہا تھا کہ **فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا** ○ (4:65)- "تیرا رب اس حقیقت پر شاہد ہے کہ یہ کبھی صاحب ایمان نہیں کہلا سکتے' جب تک یہ اپنے اختلافی امور میں تجھے اپنا حکم (فیصلہ دینے والا) تسلیم نہ کریں اور جو فیصلہ یہاں سے صادر ہوا' اس کے خلاف اپنے دل میں گرانی محسوس نہ کریں بلکہ اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں"۔

یعنی قرآن سے فیصلہ انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے لئے ایک زندہ اور محسوس ثالث اور حاکم کی ضرورت ہو گی۔ اس فیصلہ کرنے والی اتھارٹی کو قرآن میں "اللہ اور رسول" کی جامع اصطلاح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اس آیت سے چند آیات پہلے ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ** ..... (4:59)- "اے جماعت مومنین! تم اللہ اور ..... رسول کی اطاعت کرو۔ اور تم میں سے جنہیں (اللہ اور رسول کی طرف سے) صاحب اختیار بنایا جائے ان کی اطاعت کرو"۔

زندہ مرکز :- **فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ**..... (4:59)- "اگر تم میں کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو (اسے اپنے طور پر حل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ) اسے "اللہ اور رسول" کی طرف لوٹا دو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو سمجھا جائے گا کہ تمہارا اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں ہے"۔ اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ دو افراد میں اختلاف تو ایک طرف' اگر افسران ماتحت کے کسی فیصلہ سے بھی اختلاف ہو تو اسے قرآنی نظام کی مرکزی اتھارٹی (اللہ اور رسول) کی طرف لوٹا دو۔ یہی شرط ایمان ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ قرآن نے تفرقہ اور اختلاف کو کفر سے تعبیر کیا ہے۔ اس کفر سے محفوظ رہنے کی عملی شکل یہ بتائی گئی ہے کہ امت کے پاس قرآن ہو اور قرآن کی روشنی میں فیصلہ دینے والا رسول۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے **وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ** ..... (3:101)- "تم کس طرح کفر میں مبتلا ہو سکتے ہو؟ جب کہ حالت یہ ہے کہ

(i) تمہارے پاس کتاب اللہ موجود ہے اور (ii) اس کے ساتھ تم میں اس کا رسولؐ موجود ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تک امت میں (i) قرآن' اور (ii) رسول موجود ہو فرقے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اس سے ہمارے سامنے ایک اور سوال آ گیا۔ اور وہ یہ کہ قرآن کی ان آیات سے تو یہ معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ کی موجودگی (یعنی زندگی) تک امت نے فرقوں سے بچے رہنا تھا۔ لیکن آپ کے بعد فرقوں سے محفوظ رہنے کی کوئی صورت نہیں تھی۔ کیوں کہ فرقوں سے بچنے کے لئے قرآن اور رسول دونوں کی موجودگی کی ضرورت تھی اور جب ان میں سے ایک جزو (رسول) موجود نہ رہا تو فرقہ بندی سے محفوظ رہنے کا امکان بھی باقی نہ رہا۔

فیکم رسول کے معنی :- قرآن کہتا ہے کہ تم نے بات کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔ تم اس خیال میں ہو کہ رسولؐ کی موجودگی سے مراد یہ ہے کہ جب تک محمدؐ رسول اللہ تم میں زندہ موجود ہیں اس وقت تک یہ شکل باقی رہے گی۔ جب وہ وفات پا جائیں گے تو "رسول" موجود نہیں رہے گا۔ یہ بات غلط ہے۔ یہ سلسلہ رسول کی طبعی زندگی سے مشروط نہیں۔ اس کے بعد بھی قائم رہے گا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں یہ کہہ کر اس کی صراحت کر دی گئی کہ **وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ** ط (3:144)- "محمدؐ بجز ایں نیست کہ اللہ کا رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت سے رسول (اپنا فریضہ پیغام رسانی ادا کرنے کے بعد) دنیا سے چلے گئے۔ سو اگر (کل کو) یہ وفات پا جائے یا قتل کر دیا جائے تو کیا تم یہ سمجھ کر کہ یہ نظام اس کی زندگی تک محدود تھا) پھر اپنی سابقہ روش کی طرف لوٹ جاؤ گے"؟ **وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا** ط... (3:144)- "جو (رسول کی وفات پر) اپنی سابقہ روش پر لوٹ جائے گا تو وہ اللہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا"۔ (اپنا ہی کچھ بگاڑے گا)۔

اس سے بات بالکل واضح ہو گئی۔ یعنی یہ کہ **و فیکم رسول اللہ** ..... سے مراد رسولؐ اللہ کی طبعی زندگی نہیں۔ آپؐ کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بدستور باقی رہ سکتا تھا۔

رسولؐ اللہ کے بعد :- جب رسولؐ اللہ وفات پا گئے تو امت میں کہرام مچ گیا۔ ایسا ہونا فطری امر تھا۔ شدت جذبات میں بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جس نظام کو رسولؐ اللہ نے قائم فرمایا تھا' اب وہ ختم ہو گیا۔ اس کے لئے **و فیکم رسولہ** ..... کی شرط تھی۔ اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ برسر منبر تشریف لائے اور **و فیکم رسولہ** ..... کا قرآنی مفہوم اس انداز سے سمجھا دیا کہ اس سے بہتر انداز کوئی ہو نہیں سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ **یایھا الناس من کان منکم یعبد محمد افانہ قد مات و من کان یعبد اللہ فانہ حی لا یموت** "اے لوگو! جو تم میں سے محمدؐ کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اسے معلوم ہو جانا چاہئے کہ اس کا معبود وفات پا گیا ہے لیکن جو خدا کی محکومیت اختیار کئے تھا۔ اس کا معبود زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا"۔ اس کے بعد آپ نے وہی آیت پڑھی جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔ یعنی **وما محمد الا رسول** ..... (3:144)- اس سے حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ گئی۔ حاضرین سمجھ گئے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد یہ نظام کس طرح قائم رہے گا۔ چنانچہ وہ اٹھے اور انہوں نے فوراً

خلیفتہ الرسول (یعنی رسول اللہ کے جانشین) کا انتخاب کیا اور اس طرح رسولؐ اللہ کی وفات سے جو خلا پیدا ہو گیا تھا اسے پر کر لیا۔ اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ کسی کے جانشین کی موجودگی خود اس کی اپنی موجودگی ہوتی ہے۔ اس طرح امت میں "قرآن اور رسول" بدستور موجود رہے۔

خلیفتہ الرسول کی حیثیت :- اس مقام پر اتنا اور واضح کر دینا ضروری ہے کہ رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد اسلامی نظام قائم کرنے کے فریضہ کی ادائیگی پوری امت کے ذمے عائد ہوتی تھی۔ اس لئے کہ قرآن نے واضح الفاظ میں بتا دیا تھا کہ (i) کتاب اللہ کی وارث امت ہے نہ کہ کوئی ایک فرد۔ سورہ فاطر میں ہے۔ وَالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ○ (35:31)- "اللہ وہ ہے جس نے تیری طرف (اے رسول) یہ کتاب نازل کی جو ان حقیقتوں کو سچ کر دکھانے والی ہے جو اس کے سامنے ہیں"۔ ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْکِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ..... (35:31-32)- "اس کے بعد اس نے اس کتاب کی وراثت کے لئے اپنے بندوں میں سے (اس امت کو) منتخب کر لیا ہے"۔ یعنی پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کی وارث پوری کی پوری امت ہے۔ اس کے بعد آگے بڑھئے۔

(ii) رسولؐ اللہ کا فریضہ یہ تھا کہ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ ..... (7:157)- وہ معروف کا حکم دیتا تھا اور منکر سے روکتا تھا۔ اب یہی فریضہ امت کی طرف منتقل ہو گیا۔ چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ ..... (3:109)- "تم بہترین امت ہو' جسے نوع انسانی کی فلاح و بہبود کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ تمہارا فریضہ یہ ہے کہ تم معروف کا حکم دو اور منکر سے روکو"۔

امت کا نمائندہ :- ان حقائق سے واضح ہے کہ رسولؐ اللہ کی جانشین درحقیقت پوری کی پوری امت ہے۔ عملی انتظام کی سہولت کے لئے امت اپنے میں سے بہترین فرد کو اپنا نمائندہ بنا کر اس سلسلہ کو قائم رکھتی ہے۔ اس طرح امت میں "کتاب اور رسول" بدستور باقی رہتے ہیں۔ ان کی موجودگی میں اختلافات کے رونما اور فرقوں کے پیدا ہونے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ چنانچہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ دور خلافت میں نہ کوئی اختلاف پیدا ہوا' نہ کسی فرقے نے جنم لیا۔ اس لئے کہ اس دور میں کوئی ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ کسی اختلافی معاملہ کے تصفیہ کے لئے افراد امت از خود فیصلہ کرنے بیٹھ گئے ہوں۔ اختلافی امور میں مرکزی اتھارٹی کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ اور اس کے فیصلوں کی اطاعت سب پر لازم تھی۔ اسی اتھارٹی کو خلافت علیٰ منہاج نبوت کہا جاتا ہے۔

ایک اہم سوال کا جواب :- یہیں سے ہمیں اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے جس کی طرف میں نے شروع میں اشارہ کیا تھا۔ یعنی یہ سوال کہ امت ایک طریق پر قائم ہے۔ کچھ لوگ اس طریق سے اختلاف کر کے الگ فرقہ بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں امت دو فرقوں میں بٹ گئی۔ جن لوگوں نے الگ فرقہ بنا لیا وہ تو یقیناً مجرم ہیں' لیکن جو پہلے طریق پر قائم رہے انہیں تو مجرم نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ یہ ہے وہ دلیل جسے ہر فرقہ کی طرف سے یہ کہہ کر پیش کیا جاتا ہے کہ ہم حقیقی اسلام پر قائم ہیں اور الگ فرقے دوسروں نے بنائے ہیں۔ لیکن ایسا کہنے میں اس حقیقت کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ جب تک **فیکم رسولہ** کی کیفیت رہے۔ یہ صورت جسے یوں بیان کیا جاتا ہے' پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ اس وقت اگر کوئی جماعت امت سے اختلاف کرے گی تو رسولؐ کا جانشین قرآن کے اس حکم کے ماتحت کہ **ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئی** ..... (6:159)- اس امر کا اعلان کر دے گا کہ امت کو اس نئے فرقے سے کوئی سروکار نہیں۔ لہٰذا وہ امت کا فرقہ کہلا ہی نہیں سکے گا۔ اسے مسلمانوں سے کچھ

...ہی نہیں رہے گا۔ وہ اسلام کے دائرہ سے خارج ہو گا۔ اس لئے امت، امت واحدہ ہی رہے گی۔ یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت میں، مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہی نہیں ہو سکے گا۔

بہرحال یہ تھی وحدت امت کی وہ عملی شکل جسے قرآن نے رسول اللہ کی وفات کے بعد تجویز کیا تھا۔ اور جسے حضورؐ کی وفات کے بعد اختیار کیا گیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد یہ صورت قائم نہ رہی، خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔ سلاطین نے اپنی مصلحتوں کے ماتحت سیاست کو مذہب سے الگ کر لیا۔ اس یکسر غیر قرآنی تقسیم کی رو سے سیاست سے متعلق امور کے فیصلے بادشاہ خود کرتے تھے۔ باقی رہی شریعت، سو اس کے متعلق اس کے سوا کوئی صورت ہی نہ تھی کہ لوگ انفرادی طور پر فیصلے کرتے۔ اس ضمن میں ایک اور دشواری سامنے آئی۔ قرآن نے "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا حکم دیا تھا۔ "اللہ اور رسول" کا جو مفہوم قرآنی نظام میں لیا جاتا تھا۔ اس مفہوم کی اب گنجائش ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ اب وہ نظام ہی باقی نہ تھا۔ لہٰذا اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا کوئی نیا مفہوم لیا جانا ناگزیر ہو گیا۔ اللہ کی اطاعت کے متعلق تو سمجھ لیا گیا کہ اس سے مراد کتاب اللہ کی اطاعت ہے، لیکن رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے۔ یہ سوال مشکل تھا۔ اس کے حل کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی کہ حضورؐ کی احادیث کی طرف رجوع کیا جائے۔ زمانہ خلافت میں چونکہ اطاعت رسول کا عملی مفہوم سامنے تھا۔ اس لئے احادیث کے جمع اور مرتب کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اب اس کی ضرورت پڑ گئی لہٰذا احادیث کے مجموعے مرتب کئے گئے۔ اب "اللہ اور رسول" کی اطاعت کا طریق یہ قرار پایا کہ قرآن اور حدیث کی رو سے متنازعہ فیہ امور کے فیصلے انفرادی طور پر کئے جائیں۔ ان انفرادی فیصلوں میں اختلاف ناگزیر تھا۔ اس لئے مختلف فرقوں کے نزدیک "قرآن اور حدیث" کے فیصلے مختلف ہو گئے۔ ان اختلافات کو مٹانے کے لئے مناظرے اور مباحثے شروع ہو گئے اس کا جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے، یعنی

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

چنانچہ آج حالت یہ ہے کہ امت میں بیسیوں فرقے موجود ہیں۔ اور ہر فرقہ خدا اور رسول کی اطاعت کا مدعی اور حقیقی اسلام پر کار بند ہونے کا دعویدار ہے، اور چونکہ اختلافات مٹانے والی کوئی زندہ اتھارٹی موجود نہیں۔ یعنی **فیکم رسوله** کی شکل باقی نہیں۔ اس لئے کوئی فیصلہ نہیں دے سکتا کہ کون غلط کہتا ہے اور کون صحیح۔

میرا خیال ہے کہ اب ہم اس مقام تک پہنچ گئے ہیں جہاں ہمیں اس سوال کا جواب از خود مل جائے کہ امت میں وحدت پیدا کرنے کی شکل کیا ہے؟ اس کی شکل یہ ہے کہ جس نظام کے گم ہو جانے سے فرقہ بندی شروع ہوئی تھی، اس نظام کو پھر قائم کر دیا جائے۔ اس کے لئے پہلا قدم یہ ہے کہ اس فکر کو عام کیا جائے کہ فرقوں کی موجودگی اور اسلامی زندگی دو متضاد چیزیں ہیں جو، قرآن کی رو سے ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں اور فرقوں کو مٹا کر اسلامی زندگی پیدا کرنے کا طریق، قرآنی نظام (خلافت علیٰ منہاج نبوت) کے قیام کے سوا کوئی نہیں۔ طلوع اسلام کے سامنے یہی مقصد ہے اور اسی کے حصول کے لئے یہ مصروف جدوجہد ہے۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اب قرآنی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں، تو اسے کم از کم اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا نہیں رکھنا چاہئے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلامی زندگی ہے۔ یا (فرقوں کے باوجود) اسلامی ہو سکتی ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ آپ اس حقیقت کو سامنے لانے کے لئے باسانی تیار نہیں ہوں گے۔ آپ اسے کبھی تسلیم نہیں کرنا چاہیں گے کہ فرقوں کی موجودگی میں اسلامی زندگی بسر نہیں ہو سکتی۔ آپ کے نزدیک قابل قبول یہی مسلک ہو

گا کہ تمام فرقوں میں سے ایک فرقہ حق پر ہے' اس سے آپ کو یہ اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ جس فرقے سے میں متعلق ہوں وہ حق پر ہے' لہٰذا اس کے مطابق زندگی اسلامی ہے۔ جو نظریہ آپ سے اس اطمینان کو چھینتا ہے' وہ آپ کے نزدیک قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ آپ کو اس کے خلاف غصہ آئے گا لیکن آپ کا یہ غصہ خود قرآن کے خلاف ہونا چاہئے جو فرقہ بندی کو شرک قرار دیتا ہے نہ کہ اس کے خلاف جو قرآن کی اس تعلیم کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ یا تو آپ یہ کہئے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں اور اگر آپ اس کی تردید نہیں کر سکتے تو پھر آپ کے برا فروختہ ہو جانے سے قرآنی حقیقت اپنی جگہ سے بدل نہیں جائے گی۔

یاد رکھئے! جب تک آپ اس تلخ حقیقت کو گوارا نہیں کر لیتے کہ فرقہ بندی کی زندگی قطعاً" اسلامی زندگی نہیں' آپ قرآن کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر نہیں آ سکتے۔ قرآن کی رو سے صراط مستقیم ایک ہی ہے۔ جب امت مختلف راستوں پر چل نکلے تو پھر وہ صراط مستقیم کسی کے سامنے بھی نہیں رہتا۔ سورہ انعام میں اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (6:154)- یاد رکھو! میرا یہی ایک سیدھا راستہ ہے۔ "پس تم سب اس کا اتباع کرو۔ اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ چلو۔ وہ راستے تمہیں اس صراط مستقیم سے متفرق اور پراگندہ کر دیں گے۔ اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے تاکہ تم تقویٰ شعار رہ سکو"۔

بات پھر پھرا کر وہیں آ گئی کہ

(1) فرقے صرف اسلامی نظام میں مٹ سکتے ہیں۔

(2) اسلامی نظام کے معنی ہیں ایک ایسی مملکت کا قیام جو قرآنی اصولوں کے مطابق وجود میں آئے اور جس کا تمام کاروبار قرآنی حدود و قیود کے اندر رہتے ہوئے سرانجام پائے۔

(3) اس مملکت کی طرف سے جو قوانین نافذ ہوں گے' ان کا اطلاق مملکت کے تمام مسلم باشندوں پر یکساں ہو گا۔ اس میں نہ کوئی فرقہ ہو گا نہ کسی فرقہ کی الگ فقہ - قرآن سب کا ضابطہ قوانین ہو گا۔

قرائن بتا رہے ہیں کہ اس قسم کی قرآنی مملکت کے قیام کے لئے موجودہ مسلمان کبھی راضی نہیں ہوں گے کیوں کہ' یہ سب فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور کوئی فرقہ اپنی فقہ کو چھوڑنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس سے آپ لا محالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم (موجودہ مسلمانوں) میں نہ ایسا نظام قائم ہو سکتا ہے' نہ فرقے مٹ سکتے ہیں۔

اس کا عملی مفہوم یہی ہے کہ اسلامی نظام اس قوم میں قائم ہو سکے گا جو مندرجہ بالا اصول کو تسلیم کرتے ہوئے اسلام لائے گی --- خواہ وہ موجودہ مسلمانوں میں سے ہوں اور خواہ پہلی بار اسلام لائے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو بھی جو ایمان لانے کے لئے کہا ہے تو اس سے یہی مراد ہے۔ ارشاد ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ .... (4:136)- اے مسلمانو! تم' ایمان لاؤ اللہ پر' اس کے رسول پر' اور اس کتاب پر جسے خدا نے اپنے رسول پر نازل کیا تھا۔

یہ از سر نو ایمان لانا درحقیقت' فرقہ وارانہ زندگی کو خلاف اسلام تسلیم کر کے' قرآنی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت کے لئے قدم اٹھانا ہے۔

یہ مرحلہ بڑا دشوار گذار نظر آتا ہے لیکن' اس کے سوا احیاء اسلام کی کوئی صورت نہیں۔ اگر ہم اپنی موجودہ غیر اسلامی زندگی کو اسلامی کہہ کر اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں' تو اس سے ہماری زندگی' اسلامی نہیں ہو جائے گی! اسلامی زندگی کے لئے "امت واحدہ" (جس میں کوئی فرقہ نہ ہو) بنیادی شرط ہے' اور یہ صرف قرآنی مملکت میں ممکن ہے۔

PAMPHLETS--پمفلٹ

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔ مندرجہ ذیل پمفلٹس دو روپے فی پمفلٹ کے حساب سے ڈاک ٹکٹ بھجوا کر طلب فرمائیں۔

1 اسلام کیا ہے؟	2 الزکوٰۃ
3 کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟	4 کافر گری
5 سوچیو (سندھی)	6 سوچا کرو
7 اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟	8 الصلوٰۃ
9 مرض تشخیص اور علاج	10 مقام اقبالؒ
11 دو قومی نظریہ	12 روٹی کا مسئلہ
13 جہاں مارکس ناکام رہ گیا	14 حرام کی کمائی
15 مرزائیت اور طلوع اسلام	16 مقام محمدی ﷺ
17 خدا کی مرضی	18 دعوت پرویز کیا ہے؟
19 فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟	20 قرآن کا سیاسی نظام
21 ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ	22 Islamic Ideology
23 آرٹ اور اسلام	24 احادیث کا صحیح ترین مجموعہ
25 ماؤزے تنگ اور قرآن	26 ہم میں کرکٹر کیوں نہیں؟
27 عالمگیر افسانے	28 عورت قرآن کے آئینے میں
29 اندھے کی لکڑی	30 بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن
31 قرآن کا معاشی نظام	32 قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر
33 اسلام آگے کیوں نہ چلا؟	34 اسلامی قوانین کے راستے میں کون حائل ہے؟
Is Islam a Failure? 35	Why Islam is the Only True Deen? 36